Edited
p. 4/v

نوائے شوق

نازؔ مانکپوری

جون ۱۹۷۷ء

نام مصنف —— چرن سرن

تخلص —— نازؔ

تاریخ پیدائش —— ۱۸۔فروری ۱۹۲۳ء

وطن —— قصبہ مانک پور ضلع پرتاب گڈھ (اتر پردیش)

تعلیم —— ایم۔اے (انگریزی) ال۔ٹی۔ادیب کامل

نام کتاب —— نوائے شوق

قیمت —— پندرہ روپے

ناشر —— چرن سرن نازؔ مانک پوری

تقسیم کار :- ماہنامہ شانِ ہند۔ فلیٹ ۱۳ انصاری مارکیٹ نئی دہلی ۲

یہ کتاب اُردو اکاڈمی اتر پردیش کے اشتراک و مالی امداد
سے شائع ہو رہی ہے

بار اول —— چھ سو سنہ ۱۹۸۲

کاتب —— بشیر الدین بشیر کوٹی شمس گنج لال دروازہ دہلی ۶

مطبع —— خواجہ پریس، جامع مسجد، دہلی ۶

ملنے کا پتہ : ادارہ نئی کتاب، ۳۳ میاں پور، جونپور (یو۔پی) ۲۲۲۰۰۲

مرحوم والد صاحب کے نام

جبینِ چرخِ کہن متاکہ اور جھک جائے
کمالِ رفعتِ افکار نذر کرتا ہوں
حلال میری مئے معرفت نہیں نہ سہی
سرورِ بادۂ دیدار نذر کرتا ہوں

فہرست

نمبر	عنوان	صفحہ
۱	میرائے یکے خوشہ چیں	۷
۲	کچھ اپنے متعلق	۹
۳	نذر کرتا ہوں	۳۲
۴	نوائے شوق	۳۳
۵	کب تک ملے	۴۰
۶	وجود	۴۲
۷	تخلیق کائنات	۴۳
۸	فردیۂ ذرہ	۴۴
۹	دعوتِ عمل	۴۷
۱۰	رہرو سے خطاب	۴۸
۱۱	شکستِ خاک	۴۹
۱۲	اضطراب	۵۰
۱۳	مقام ابلیس	۵۱
۱۴	گمرہی	۵۲
۱۵	فرق	۵۳
۱۶	آدمی	۵۵
۱۷	مکالمۂ جنون و خرد	۵۶
۱۸	ارض و سما	۵۸
۱۹	من و تو	۵۹
۲۰	جہدِ ہستی	۶۰
۲۱	ہر ایک جہد میں میں ہی ہوں برسرِ پیکار	۶۱
۲۲	احساسِ خودی	۶۲
۲۳	عالمِ خیال	۶۳
۲۴	تلاشِ انا	۶۵
۲۵	قطعہ	۶۷
۲۶	کاوش	۶۸
۲۷	جمود	۶۹
۲۸	برہمن	۷۰
۲۹	قطعہ	۷۱
۳۰	خوابِ جناں نہ دیکھ	۷۲
۳۱	موج اور شفق	۷۳
۳۲	مشورے	۷۴
۳۳	تلاشِ آبِ حیات	۷۵
۳۴	انجامِ گلستاں	۷۶
۳۵	تحریک	۷۷
۳۶	شرطِ وفا	۷۹
۳۷	گورو نانک	۸۰
۳۸	سلسلۂ تعمیر	۸۱
۳۹	نورِ نار	۸۲
۴۰	آؤ پھر اک نیا چراغ جلائیں	۸۳
۴۱	آپ	۸۴
۴۲	غازیٔ گفتار	۸۵
۴۳	قصیدہ	۸۶
۴۴	مکھی یا ہنی	۸۸
۴۵	سپاہی کا جیوٹ	۸۹
۴۶	مارچنگ سانگ	۹۰
۴۷	سپاہی کا آخری خط	۹۱
۴۸	بھارت ماتا	۹۲
۴۹	اندھیارے سمٹنے والے ہیں	۹۶
۵۰	اٹھو	۹۷
۵۱	ساقی نامہ	۱۰۰

غزلیات

۱۔ ساقی تیرے جام کے شعلے ۱۰۲
۲۔ ابھی تک جانے کیوں احساس ہے تم دور ہو ساقی ۱۰۳
۳۔ تشنگی تیرے اشاروں پہ قرباں ساقی ۱۰۴
۴۔ تجھے کیونکر بتاؤں لذت انکار ساقی ۱۰۵
۵۔ بے خودی کا تھا وہ کیف شغلِ جام کے بعد ۱۰۶
۶۔ دیکھئے کیا ہو یہ ہے جامِ شراب ۱۰۶
۷۔ کوئی دامانِ فصلِ گل نہیں ہے ۱۰۶
۸ حاصلِ حسنِ خواب ڈھالوں گا ۱۰۷
۹۔ نور چھلکائے ہے ایاغِ صبح ۱۰۷
۱۰ وقتِ شغل جام ہے زاہد ۱۰۸
۱۱ تلاشِ تسکینِ قلب اکثر بہ رنگِ جہدِ شباب بھی ہے ۱۰۹
۱۲۔ ہر اک بزم پر چھا گئے ساز بن کر ۱۱۰
۱۳۔ غرورِ زندگی بے جا نہیں ہے ۱۱۰
۱۴ ٹھہرو کہ میں اعجازِ ناز دیکھ رہا ہوں ۱۱۱
۱۵۔ راہِ جنوں ہے اور رہِ کہکشاں نہ دیکھ ۱۱۲
۱۶۔ جھکا دے سر جو اس کو صاحبِ قامت نہیں کہتے ۱۱۳
۱۷۔ لیکر چلا ہے عشق کدھر واسطہ بغیر ۱۱۴
۱۸۔ ہر ایک سے ناکامی کا چرچا نہیں کرتے ۱۱۴
۱۹۔ پیشانیٔ اصرار پہ سجدوں کے نشانات ۱۱۵
۲۰۔ کیا بات ہے ہر وقت بھڑکتی ہے رگِ تاک ۱۱۶
۲۱۔ جہاں تک اس فضا کی نیرگی ہے ۱۱۷
۲۲۔ سموئے خود میں اک دنیا رہے ہیں ۱۱۸
۲۳ خودی ہو گئی گم خیالِ خودی میں ۱۱۹
۲۴۔ کفر کا دامن ہے تر، دامنِ دیں تار تار ۱۲۰
۲۵۔ اٹھائے نور کی خاطر جو منتِ خورشید ۱۲۱
۲۶۔ خموشی کا سماں باندھے ہوئے کچھ ساز جیسا ہے ۱۲۲
۲۷۔ فرش سے تا عرش سب کچھ ہے مراد دیکھا ہوا ۱۲۳
۲۸ یہ خواب خواب نہیں جہد سحر کے لئے ۱۲۴
۲۹۔ نوائے شوق سے نویدِ جلال پیدا کر ۱۲۵
۳۰۔ یہ اندر دھنک اور یہ گھٹا دیکھئے کیا ہو ۱۲۶
۳۱ بنت انگور کی جب پور چھلک جاتی ہے ۱۲۷
۳۲ سدا بہار جوانی سدا سہاگ ہوں میں ۱۲۸
۳۳۔ میری روش جو تھی وہ ہے آئے گئے ہیں انقلاب ۱۲۹
۳۴۔ طلوعِ مہتاب ہے یہ کیا مری نگاہوں کے آسماں پر ۱۳۰
۳۵۔ کوئی ہنگامہ نہیں تھا بے خبر تھی بزمِ ناز ۱۳۱
۳۶ حیات ناپید تھی جہاں میں شعور دار و رسن سے پہلے ۱۳۲
۳۷۔ مشکل ہی چاہتا ہوں میں مشکل کشا نہیں ۱۳۲
۳۸ زمیں گذری ہے ہفت آسماں گذرے ہیں ۱۳۳
۳۹ حسین حیات کی مجھے ادا دکھائی دی ۱۳۴
۴۰ یہ ادا یہ ناز، یہ شوخیاں یہ شباب و حسن کی دلبری ۱۳۵

۴۱ - شکن شکن جبینِ ناز کہکشاں لیئے ہوئے ۱۳۶
۴۲ - صبحِ چمن ملتی ہے آنکھیں ۱۳۸
۴۳ - اگر ہم خود ہی کو پہچان لیتے ۱۳۸
۴۴ - پائل کی گھنکتی ہوئی جھنکار تو دیکھو ۱۳۹
۴۵ - حسن کی ناز قتل گاہ میں چل ۱۴۰
۴۶ - سب کے بس کی نہیں پرستش بت ۱۴۰
۴۷ - الفاظ چیخ اٹھے قلم بولنے لگے ۱۴۰
۴۸ - محبت ہے اگر بدنام تو بدنام رہنے دے ۱۴۱
۴۹ - سکونِ دل نہ ملنے پر بھی کچھ آرام ملتا ہے ۱۴۲
۵۰ - ہر اک نظر ہے گناہ میری تو جلوہ حسن عام کیوں ہے ۱۴۳
۵۱ - دخترِ رز کا ساغرِ مے میں رقصِ تبسم رات گئے ۱۴۳
۵۲ - سحر کی چاہ میں ہیں پچھلی شب کے خواب ہنوز ۱۴۴
۵۳ - تمہیں ہو آئینہ غزل میں نگاہِ شاعر کا حسن تم ہو ۱۴۵
۵۴ - کوئی مجھ پہ دل سے نثار ہے میں کسی پہ دل سے نثار ہوں ۱۴۶
۵۵ - ہمکیں ہیں بزمِ تباں میں حبیب آج کی رات ۱۴۷
۵۶ - رنگ و بو کی لپٹوں کو صبح نے ہوا دی ہے ۱۴۸
۵۷ پلا دے اور پلا دے شراب آج کی رات ۱۴۹
۵۸ - کلی کلی مائل تبسم گلوں کا جوبن ابھار میں ہے ۱۵۰
۵۹ - جو آگ دل میں تھی کل فروزاں وہ آگ اب بھی لپک رہی ہے ۱۵۱
۶۰ - بہار نرگس ہے تیرا عشوہ گلاب کا پیرہن تجھی سے ۱۵۲
۶۱ - حسین تر ہے محبت کی داستاں تجھ سے ۱۵۳
۶۲ - قطرہ ہائے اشک بحرِ بیکراں ہوتے گئے ۱۵۴

رنگ جدید

۶۴ - چمن کا رنگ اڑا جم گئی گلوں پر برف ۱۵۶
۶۵ - دل برف منجمد ہے لہو، جسم سرد ہے ۱۵۷
۶۶ - ہر سو ہے اک دہنیگا مشتی ہر سو اک ہنگامہ ہے ۱۵۸
۶۷ - آؤ بیٹھو بات کرو کچھ جی پہلے کچھ درد بٹے ۱۵۹

برائے یکے خوشہ چیں

اندھیری رات یہ سنّاٹا، اُف یہ عالمِ ہو
لگائے کان کھڑی ہیں بلند دیواریں

زبانِ غنچہ پہ سویا ہوا یہ نطقِ حیات
ہوائے نرم سے کوئی کلی نہیں کھلتی

تھکی تھکی ہوئی گنگا کی دھار سوتی ہے
نجوم و ماہ کی پرچھائیں تک نہیں ہلتی

نہ جانے حدِ تصوّر سے میں کہاں پہنچا
سکوتِ شب کی مگر انتہا نہیں ملتی

کسی جھروکے سے سپنے بھی آ نہیں سکتے
پرائے کیا یہاں اپنے بھی آ نہیں سکتے

یہ اونگھتی ہوتی دھرتی کبھی نہ جان سکی
کہ لٹ سے رات کے کس طرح اوس گرتی ہے
جو روشنی کے لیے کوئی تارہ ٹوٹتا ہے
یہ رات اور بھی گمبھیر ہو کے گھرتی ہے
یہ بے حسی کا سا عالم یہ موت کی سانسیں
سیاہی چاند ستاروں کے رخ پہ پھرتی ہے

ہزار سوچ ہیں، سوچو، اداس ہو جاؤ
تھکے ہوؤں کی یہ بستی ہے ناز سو جاؤ

ہزار حسرت ناکام میرا سینہ ہے
مرے خیال کے موتی چرائے ہیں کس نے
جو میرے ذہن کے ٹوٹے ہوئے ستارے تھے
چراغ اپنے انھیں سے جلائے ہیں کس نے
مری ہی چھوڑی ہوئی مے سے کس کی پیاس بجھی
مرے ہی گائے ہوئے گیت گائے ہیں کس نے

یہ رات سوچ کی ہر تیرگی سے بھاری ہے
زمانہ آہوئے آواز کا شکاری ہے

کچھ اپنے متعلق...

یہ تو مشکل نہیں کہ میں آپ سے آپ کی سی کہوں اور آپ میری خوشامد سے محظوظ ہوں لیکن یہ ضرور دشوار امر ہے کہ میں اپنے متعلق اپنی سی آپ سے کہوں اور وہ آپ پر گراں نہ گذرے۔ پھر بھی جب ضرورت آ پڑی ہے تو اجازت دیجئے کہ میں خود کو آپ سے متعارف کراؤں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ پر واضح کر دوں کہ میرا ذہن کن حالات کی پیداوار ہے اور میرے نظریات کیا ہیں؟

میں فطرتاً تنہائی پسند اور ہر وقت بسورتے رہنے کا عادی ہوں۔ اسی عادت نے مجھے اس منزل پر پہنچایا۔ جہاں میں نے عالم خیال میں بھانت بھانت کی روشنیاں دیکھیں جن کے اجالے میں، میں نے زندگی کی نئی قدریں دریافت کیں۔ میری زندگی میں ایسے لمحات آئے ہیں جب میں سوچ کی گہرائیوں میں ڈوب گیا ہوں اور مجھے عالم غنا میں اپنی

ہی آواز شعر و نغمہ میں ڈھلتی نظر آئی ہے جس کو سُن سن کے محظوظ ہوا ہوں اور اسی لیئے میرا یہ عقیدہ بن گیا ہے کہ انسان ایسی کیفیت میں ڈوب سکتا ہے جس کو وحی نازل ہونے یا الہام ہونے کی کیفیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہت گُن سُن کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ آوازیں جنھیں میں سنتا ہوں یا وہ تحریریں جنھیں میں بند آنکھوں سے پڑھتا ہوں وہ کسی خدا کی طرف سے نہیں بلکہ میں آپ اپنا خدا ہوں اور جب میں اُن آوازوں اور تحریروں کو اپنی تحریر کے ملبوس میں پیش کرتا ہوں تو آپ اپنا رسول بن جاتا ہوں۔ رفتہ رفتہ میرا یہی جذبۂ انا مجھے وہاں لے آیا جہاں میں نے بے پناہ وسعتوں کو اپنے میں گم ہوتے دیکھا۔ آپ مجھے کچھ کہیں —— کافر، دہریہ یا منکر میں اس تصور سے بے نیاز ہوں جس میں اہرمن و ایزداں، خالق و مخلوق اور خدا و بندہ کی روایات جنم لیتی اور پروان چڑھتی ہیں۔

میرے اس طرح سوچنے کا یہ مطلب کبھی نہیں ہے کہ میں روحانیت کا قائل نہیں ہوں۔ میرے لیے عالم تخیّل میں حقیقت کا صوتیاتی مشاہدہ روحانیت ہے اور آب و گل کی دھرتی پر اُس مشاہدے کی تصویرکشی مادیت۔ روحانیت اور مادّیت کے اسی رشتے میں ارتقائے حیات کی بے شمار کڑیاں ہیں جو بکھرتی چلی جاتی ہیں۔ نہ کوئی خالق ہے نہ کوئی مخلوق۔ اپنی انا سے الگ کسی خدا کا تصوّر مریض ذہن کی اختراع ہے اور اُس خدا کی آگہی سراب کی آگہی ہے

جس میں غلطاً کوئی اپنی پیاس بجھانے نہیں جاتا۔ میں اس مرض پسندی کا شکار پہلے بھی نہیں تھا اور اپنی انا کی بیداری کے بعد تو اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں اپنے کچھ اشعار آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

پیشانیٔ احرار پہ سجدوں کے نشانات
توہینِ خودی ہیں یہ غلامی کے علامات

احرار کی نظروں میں نہ ادنیٰ ہیں نہ اعلیٰ
پابندِ غلامی ہیں سبھی جاہو خطابات

احرار ہیں احرار، نہ ساجد ہیں نہ مسجود
تضحیک خودی بندۂ خالق کی روایات

انسان ہے ابھی قائل پابندیٔ سجدہ
شاید نہ پسند آئے زمانے کو مری بات

ٹھہرو کہ میں اعجازِ انا دیکھ رہا ہوں
اک ذرہ میں کل ارض و سما دیکھ رہا ہوں

گم وسعتِ کونین ہوئی میری خودی میں
قطرے کو بھی دریا سے بڑا دیکھ رہا ہوں

ہر حسن میں جھلکے ہے مرا عکسِ انا ناز
ہر آنکھ میں اپنا ہی نشا دیکھ رہا ہوں

اور اسی لئے پُر امید ہوں۔ مجھے اپنی قوّت پر پورا بھروسہ ہے،
یہ اور بات ہے آج میں گمنام ہوں۔

حاصلِ حسنِ خواب ڈھالوں گا
پھر خودی کی شراب ڈھالوں گا

کون ہوں میں یہ کل بتاؤں گا
صبح جب آفتاب ڈھالوں گا

توڑ کر کہکشاں تاک کے نجم
اک نیا آفتاب ڈھالوں گا

صبح ہونے دو ساغرِ گل میں
نازؔ صاحب شراب ڈھالوں گا

مجھے یقین ہے۔

ساری دنیا مری تلاش میں ہے	میرا فردا مری تلاش میں ہے

اور آخر کار

ہو گئیں تیرگی کی پار حدیں	عشق نے پا لیا سراغ حیات

میں آپ کو اپنے اشعار کیوں سنا رہا ہوں؟ اس میں میری ایک غرض پوشیدہ ہے۔ امید ہے آپ مجھے میری خود غرضی پر معاف کر دیں گے بات دراصل یہ ہے کہ میں روحانیت کی اُس منزل پر ہوں جہاں میں نے خود کو پا لیا ہے۔ لیکن مادیت کی شاہراہ پر ہنوز بھٹک رہا ہوں۔ وہ معشوق ہوں جسے عاشق کی تلاش ہے مجھے یقین سا ہو چلا ہے کہ میرا دکھ دور ہو گا اور میرے روحانی خد و خال کی دلکشی سے متاثر ہونے والے پیدا ہو گئے ہیں۔ آج تیرگی کی حدیں پار ہو گئی ہیں اور دنیا میری تلاش میں ہے۔

میں وہ فلسفی ہوں جس کے جذبۂ انا نے اُسے سنوارا ہے اپنی انا کا پیغام لے کر میں آپ کے سامنے ظاہر ہوا ہوں۔ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنے فلسفۂ انا کی مزید وضاحت کر دوں۔ میری ابتدا ڈیکارٹ کے فلسفۂ تشکیک سے ہے۔ شک نفیِ یقین نہیں، شک یقین بھی نہیں۔ شک یقین اور عدم یقین کے درمیان کی وہ کیفیت ہے جہاں

سے علم و آگہی کے دھارے پھوٹتے ہیں۔ جو شک کرنے والے کو یقین

(خواہ وہ عدم یقین کا ہی یقین ہو) کی منزل تک بہالے جاتے ہیں۔ شک کی

جد وجہد میں یقین کی پہلی منزل اپنے وجود پر یقین ہے یا بہ الفاظ دیگر

پہلی منزل پر یہ یقین پختہ ہوتا ہے کہ "میں ہوں" (I exist)

یہ یقین ہر جگہ اور ہر حالت میں صحیح ہے اور اس لیے یہ ماننا بھی صحیح

ہے کہ ہر تجسّس کی بنیاد جذبۂ انا پر ہے۔

لوگوں کے بہکاوے میں آکر اپنی انا کو سمجھے بغیر میں نے بھی اکثر عامیانہ

طریقے سے حق کی تلاش کی تھی۔ لیکن جب یقین کسی منزل تک نہ پہونچ

سکا تو مجبور ہو کر اپنی ہی (اپنی انا کی) تلاش کرنے لگا۔ اس تلاش میں مجھے

کیسے کیسے نشیب و فراز ملے۔ یہ میرے مندرجہ ذیل اشعار میں دیکھیے۔

وقت کی تیز دھوپ میں چھاؤں نہ ڈھونڈیے کہیں

آگہی وادیٔ جنوں راہ ہے چند گام اور

قیدِ قفس سے کیا چھٹے خطرۂ قید بڑھ گیا

وسعتِ بیکراں میں بھی بکھرے ہوئے ہیں دام اور

نازؔ حدودِ زیست سے دور نکل گیا ہوں میں

خود کو پکارتا ہوں اب لے کے کسی کا نام اور

چند اور اشعار ملاحظہ ہوں:

مری زمیں پہ ستاروں کی بادشاست تھی
نگاہ وقف تھی پروین و مشتری کے لیے
خرد کو بھا نہ سکی میری چاک دامانی
جنوں نے ہوش سنبھالا رفوگری کے لیے
نقابِ رعد الٹ کر شعاعِ برقِ تپاں
بشکلِ مشعلِ رہ آئی رہبری کے لیے
کلی کے ہونٹ کھلے رس چھلک پڑا گل سے
حدیثِ شوق ہوئی وقف کافری کے لئے
فلک نے جھک کے کیا اعترافِ رفعتِ خاک
زمیں سے دھول اُڑی گل کی برتری کے لیے
مزاجِ ذرّہ کی دیکھی جو گرمیِ تگ و دو
ادائے خاک لی تاروں نے دلبری کے لیے
قمر نے اپنے لیے بڑھ کے چاندنی مانگی
شعاعِ مہر نے ایمان کی روشنی مانگی

اور پھر تلاش کی اس جد و جہد میں میں نے اپنی خودی کو ابھرتے ہوئے دیکھا اور اپنے احساسِ خودی کو احساسِ مردانگی سے تعبیر کیا۔ خودی کی بیداری کی کیفیت ملاحظہ کیجیے۔

جاگ اٹھی ذرّہ بے تاب کی جس وقت خودی
ٹمٹماتے ہوئے تاروں کی ہوئیں آنکھیں بند
مردِ خود دار ابھرتا ہی گیا سوئے فلک
تابِ خورشید نے گو اس کو ڈرایا ہر چند
آخرش اپنی ہی قوّت کے سہارے اس نے
ڈال دی گردنِ پر دین و ثریا پہ کمند
اور مرّیخ و عطارد کی جھپکنے لگی آنکھ
دیکھ کر ذرّۂ بیتاب کا یہ عزمِ بلند

خودی کی بیداری کی اس حالت میں میرے دل نے مجھے ترغیب دی۔

انانیت کی بلندی پہ بیٹھ جا ناداں
بتِ خیال ہو کوئی خدا نہیں تیرا

اس طرح میں آپ اپنا خدا بن گیا۔ عرفانِ انا کی اس منزل پر میں نے محسوس کیا کہ گویا جو کچھ ہو رہا ہے، میرے ہی اشارے پر ہو رہا ہے۔ میں خالق ہوں۔ میں ہی قادرِ مطلق ہوں۔

مئے خودی کا تھا وہ کیف شغلِ جام کے بعد
کوئی بھی نام نہ یاد آیا اپنے نام کے بعد
اسی سرور کے عالم میں مل گیا وہ مقام
خدا خودی میں نظر آیا جس مقام کے بعد

اور اس طرح تمام فطرت مجھے اپنی فلم نظر آئی۔

میں جاگتا ہوں تو سورج کی آنکھ کھلتی ہے! مرے ہی ساتھ نسیمِ بہار چلتی ہے!
یہ ابر سانس ہیں میری میرے تنفّس سے گھٹا فلک پہ سوئے کوہسار چلتی ہے
مرے وجود کی گرمی سے گرم ہر بازار ہر ایک جہد میں ہی ہوں برسرِ پیکار

کائنات کی اس فلم کو دیکھ کر میں نے محسوس کیا کہ تمام حسنِ دو عالم پرتوِ انا ہے اور اس لیئے چمن چمن حسنِ بہار دیکھ کر میں گنگنانے لگا۔

سدا بہار جوانی، سدا سہاگ ہوں میں
نہا کے رنگ میں پھولو، نہاؤ پھاگ ہوں میں
نوائے شوق سے روشن ہے تیرگی ہر سو،
عروسِ صبحِ چمن کا حسیں سہاگ ہوں میں
میں ایک سوچی ہوئی نے کا لحنِ داؤدی
زبانِ غنچہ کا اک ستا سا راگ ہوں میں
مری نواؤں کی ہے روشنی فلک بہ فلک
جلا دے دیپ ستاروں کے جو وہ راگ ہوں میں
صدائے تیرگیٔ شب کی تھرتھراہٹ میں
لبِ خموش کا گایا ہوا بہاگ ہوں میں!

انا خواہشات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے پرتو پر پرتو بنتے رہیں۔ تصویر پر تصویر کھینچتی جائے۔ میرا یہی شوقِ مظاہرۂ انا عشق ہے جس میں ظاہر ہو جانے کی لگن بے قرار تھی اور یہی انتہائیانت روپوں میں ظاہر ہونے کی یہی لگن اب بھی بے قرار ہے۔

مئے وجود خمِ غیب سے چھلکنے لگی
ہوئی ہر ایک طرف سے تلاشِ پیمانہ
تلاشِ جام سے پیدا ہوا شعورِ خودی
خمِ عدم میں خدا تھا خودی سے بیگانہ
مئے وجود پہ لہرا گیا شعورِ خودی
اسی ظہور میں اُلجھی ہے عقلِ فرزانہ

عالمِ غیب میں خودیٔ کل کی شبیہہ کیا ہے؟ وہ عملِ عشق کیا ہے جو رازِ تخلیقِ کائنات کو افشا کرتا ہے؟ ان سوالوں کا حل بھی مجھے اپنی بسورنے کی عادت سے ملا۔ وہ عملِ روحانی جس سے میری تنہائیاں روشن ہوتی تھیں مجھے وہاں پہونچانے میں معاون و مددگار ہوا جہاں خمِ غیب سے شرابِ وجود چھلک رہی ہے۔ یہ شرابِ وجود روحانی اصطلاح میں شرابِ نغمہ ہے جو آوازوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس کی گرمی سے روشنی کی کرنیں پھوٹتی رہتی ہیں اور ہر کرن شبیہہ اختیار کرتی چلی جاتی ہے۔

یہ عام شکلیں خواہ وہ نظر آتی ہوں یا نہ نظر آتی ہوں اس لامتناہی الاب کی پرچھائیاں ہیں جو خودیٔ کل ہے یا جو میرا، آتما یا انا ہے یا میرا اپنا "میں" ہے

خودیٔ کل کے اس طرح وجود کے سانچے میں ڈھل جانے سے قبل کی کیفیت کو عالم غیب کہیے یا عدم وہ دراصل منفیت کی ایسی کیفیت جس میں آواز کی چوٹ سے تحریک پیدا ہوتی ہے اور جوہر مرتعش ہو کر طرح طرح صورتوں میں ڈھلتی چلی جاتی ہے اس طرح منفیت سے مثبتیت کے دروازے کھلے ہیں۔ ویدانت کی رو سے منفیت کی یہ کیفیت "مایا" ہے جو خودیٔ کل (جسے برمھ کہتے ہیں) کی طرح زمان و مکان ہر لحاظ سے لاشروع، لامتناہی اور لامحدود ہے کیوں کہ اس منفیت میں خودیٔ کل کی مثبتیت پوری طرح رچی بسی ہے

لامحدودیت یا لاتعدادیت (INFINITY) صولِ ریاضی سے دو نہیں ہو سکتے اس لیے مایا اور برمھ کو دو الگ الگ حقیقتیں سمجھنا غلط ہے وجو ہے، وہ لامحدود ہے وجو نہیں ہے، وہ بھی لامحدود ہے۔ 'ہے' اور "نہیں ہے'، یا عدم و وجود یا نیست و ہست یا منفیت و مثبتیت، غور سے دیکھا جائے، تو ہم معنی الفاظ ہیں یعنی لامحدودیت جب روح کا احساس ہے تو 'برمھ' ہے، خودیٔ کل ہے اور وہی

جب حواسِ خمسہ کے ذریعے تجربے میں آجاتا ہے تو مایا ہے۔ مایا اور برہم ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ انا کی مادی شکل مایا ہے اور اس کا روحانی احساس برہم۔ مادیت اور روحانیت دراصل ایک دوسرے کا آئینہ ہیں یا یوں کہیے کہ وہی لامحدودیت جب روح کا احساس ہے تو برہم ہے اور وہی عالمِ آگہی میں مشاہدے میں آکر 'مایا' ہے۔ دیکھیے کس خوبصورتی اور لطیف روحانی انداز سے تخلیقِ کائنات ہوئی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔

ہلکا ہلکا یہ ارتعاشِ غیب
دور بجتی ہوئی سی شہنائی
یہ چٹکتی ہوئی رگوں کے بول
گنگناتی ہوئی یہ انگڑائی

تھرتھراتا ہوا سکوتِ عشق
خواب سا دیکھتی ہے تنہائی
تھرتھراتی ہے سرخیٔ رخسار
جیسے شیشے سے مے چھلکتی ہے
صبحِ نو کی جبین پہ چھائیں
آرسی میں تری جھلکتی ہے
رات کی مستیٔ مئے نغمہ
خامشی سے تری ڈھلکتی ہے
صبح کی جہدِ شب کی بات ہوئی
یوں ہی تخلیقِ کائنات ہوئی

تخلیق کا سبب 'مایا' کے ساز پر 'برہم' کا نغمہ سنج ہونا ہے 'برہم' کی یہ نغمگی الاپ کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو لامتناہی ہے 'برہم' اتھاہ خاموشی ہے اور اس کی الاپ لامتناہی صدائے

سکوت ہے۔

ازل سے تا بہ ابد اک الاپ ہے یہ وجود
ہر ایک سمت سے گونجی ہوئی صدائے کن
نہ جانے کتنی الاپیں ہیں ذہنِ فردا میں
نہ جانے کتنے ترانے فضا میں بہتے ہیں
ان انگلیوں میں تھکن بار بار آتی ہے
مگر یہ چھیڑے ہوئے ساز بجتے رہتے ہیں

خودیٔ کل یا برھم ہزا جاگر ٹوٹنے والا، لامتناہی ٹھہراؤ ہے۔ جس کی خاموشی کی گونج میں آواز کی لاتعداد تھرتھراہٹیں ہیں جو اس لیے ہیں کہ برھم کو مایا میں ڈھال دیں۔ یہ تھرتھراہٹیں وہ کاوشیں اور خواہشیں ہیں جن میں ظاہر ہو جانے کی لگن بے قرار ہے۔ یہی لگن، عشق، ہے عشق آوازوں کے ابھار کا ایسا سلسلہ ہے جو برھم یا خودیٔ کل کو مایا کی لاتعداد شبیہوں میں معکوس کرتا رہتا ہے۔ تصویر پہ تصویر کھنچتی رہتی ہے عکس پہ عکس بنتے بگڑتے رہتے ہیں۔ برھم کی یہ سہاگ کی حرکتیں ہیں یہی خودیٔ کل کا اعجاز ہے یہ طلسمِ تخلیق نہ ٹوٹا ہے نہ ٹوٹ سکتا ہے۔ کیونکہ مایا بھی امر ہے جس میں برھم کی ہر سہاگ کی حرکت میں بے حد غنائیت ہے۔

گونج رہی ہے ہر طرف ناز مری نوائے شوق
بزمِ غنا ہے کائنات ساز مری نوائے شوق
گونج سکوتِ شب کی یہ لے کی یہ تھرتھراہٹیں
راز ہے گفتگوئے وقت، راز مری نوائے شوق
میری نوائے شوق سے جھلکا ہے قدحِ آفتاب
کر گئی بابِ میکدہ باز مری نوائے شوق
کتنے مہ و نجوم کے چرخ پہ جل اٹھے چراغ
چھیڑ گئی وجود کا ساز مری نوائے شوق

شاید میں آپ کو یہ سمجھا سکنے میں کامیاب ہوں کہ کیوں کر خودیِ کل کی مستیِ غنا کی ہر لہر میں عشق کارفرما ہے اور بے حد کی لاتعداد پرچھائیاں کیسے ایک دوسرے سے عشق کے رشتے میں بندھی ہوئی ہیں اور بندھتی رہتی ہیں۔ حقیقتاً یہ انسان کے عشق کی روحانیت ہی ہے جس سے مادیت کی جد و جہد عام ہے اور ہر جگہ چھائی ہوئی ہے و نیز چھائی رہتی ہے۔

انانیت اور عمومیات کے فلسفے کی رو سے عشق مجازی گناہ نہیں ہے بلکہ روحانیت کی منزل تک پہونچنے کا رستہ ہے۔

روحانیت کا یہ نظریہ جو فلسفۂ انانیت وصوتیات کی دریافت ہے، ویدانت کی اپج ہیں۔ بہت صاف لفظوں میں نہ سہی لیکن یہ حقیقت ہے کہ ویدانت جدلیاتی مادّیت کی وکالت کرتا ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ویدانت دھرتی اور دھرتی کی مٹی سے لگاؤ کو غیر روحانی نہیں ٹھہراتا۔ سچ یہ ہے کہ ہر وہ جد و جہد جس کی جڑیں مادّیت کی مٹی میں ہیں، روحانیت کا مظہر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری انانیت ویدانت کے نظریے "اہم برہماسمی" (میں برہم ہوں) سے کچھ مختلف ہو پھر بھی میں اس اختلاف کو ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ اگر یہ واقعی صحیح ہے تو بھی میں خود کو ہی صحیح سمجھتا ہوں اور کہوں گا کہ آپ ہی غلط ہیں۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ کیسے لوگ خود کو ویدانتی کہتے ہوئے بھی مادیت اور روحانیت کو متضاد ٹھہراتے ہیں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ اس وسیع و عریض پھیلاؤ میں مادے کی ہر اکائی میں وہی برہم ہے جو مجھ میں "میں" ہے، میری انا ہے اور جب یہ غلط نہیں ہے تو مادّے کی کسی اکائی سے شہوانی لگاؤ یا عشقیہ تعلق غیر روحانی کیوں کر ہے؟ میں تو کہوں گا کہ اس نظریے کی رو سے عشق اور شہوت کا پھیلاؤ لامحدود ہے۔ ویدانت کی توحید میں اپنی انا سے

اپنے آپ سے کسی قسم کا تعلق رکھنا اپنے آپ
الگ کچھ نہیں ہے اور اس لیے کسی سے محبت
سے عشق کرنے کے مترادف ہے اور اسی لیے ہر ایک سے محبت
کرنا ہر ویدانتی کا فریضہ ہے میرا خیال ہے کہ اس اصول سے ساری
دنیا بندھی ہے یہاں تک کہ نفرت میں بھی محبت کی کسک موجود
رہتی ہے عشق کا تعلق خواہشات سے ہے اور ہر خواہش کی تکمیل
کے لیے جدو جہد کرنا ہی سچا عشق ہے۔

غرورِ زندگی بے جا نہیں ہے — خودی احساس کا دھوکا نہیں ہے
میں جس توحید کا قائل ہوں اس میں — خدا تو ہے مگر بندا نہیں ہے
سرِ تسلیم جس جا خم ہوا وہ — مقامِ آگہی میرا نہیں ہے
خودی خودداریِ روحِ بشر ہے — خودی پابندیِ سجدا نہیں ہے
ہر اک خواہش کی ہے تکمیل دنیا — تجسّس چاہیے کیا کیا نہیں ہے

یہی وجہ ہے کہ خواہشات کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔
جب ایک خواہش پوری ہوتی ہے، دوسری پیدا ہو جاتی ہے اور
عشق نئے روپ کی تلاش کرنے لگتا ہے تاکہ احساسِ اناکمل ہو جائے
لیکن ایسا نہیں ہوتا اور انسان تھک کر منفی تصورات میں ایسے خدا کو تلاش
کر لیتا ہے۔ جس کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ اس کی کوئی شکل نہیں ہے
اور وہ ہر بحث سے پرے ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے خدا کا خالق

انسان خود ہے اور یہ خدا صرف مریض ذہن کا کی اختراع ہے انسان کی مرض پسندی نے یہ جانے کیا سے کیا بنا دیا۔

یہ ادا یہ ناز یہ شوخیاں یہ شباب و حسن کی دلبری
یہ نگاہِ شوق کی ساحری، دلِ عشق کی یہ فسوں گری
یہ گلاب و لالہ کی رنگتیں، یہ کرشمہ ہائے خودی مرے
یہ وجودِ دہر کے سلسلے یہ مرے خیال کی بت گری
یہ نوائے شوق چمن چمن یہ حدیثِ شوق صنم صنم
مری نظم و نثر کی سرخیاں، مری فکرِ شعر کی آذری
جہاں میں ہی میں ہوں غزل سرا، جہاں وجد میں ہے مری انا
جہاں سرنگوں ہے خدائیت مرا وہ مقامِ قلندری
وہ بشر کی جدّتِ اوّلیں جسے کہہ رہا ہے خدا جہاں
جسے اہلِ دیں نہ سمجھ سکے وہ تلاشِ حق مری کافری
تری بولتی ہوئی چھاؤں میں مرے لب پہ نغمۂ سرمدی
مری گفتگو ہے پیامِ حق، مری بات حدیثِ پیمبری

ویدانت کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عشق ہی تکمیلِ تقاضۂ حسنِ کائنات کی ترغیب دیتا ہے۔ عشق ہی تخریب و تعمیر کی ہر جد و جہد میں نمایاں رول ادا کرتا ہے جس سے انا کی تسکین ہوتی ہے۔

یہ سرخ لب پہ تبسم کی اُجلی اُجلی لکیر ... کہ جیسے ٹوٹتے تارے کی لانبی سے تنویر
یہ سرخ سرخ ڈوپٹہ یہ جوت چھنتی ہوئی ... خیال و خواب کی یہ بولتی ہوئی تصویر
یہ پائے شوق کی لغزش یہ تشنگیٔ مزاج ... یہ پے بہ پے نئی تخلیق، یہ نئی تعمیر
غرورِ حسن سے لیکر خودیٔ عاشق تک ... ٹھوکے دیتی ہے اک کائنات کی تعمیر

تعمیر کے راستے میں اکثر تخریب کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ تخریب کی افادیت کے پیشِ نظر عشق تخریب کے بھی راگ الاپتا ہے اور اس کی ترغیب دیتا ہے:

ہر ایک سے ناکامی کا چرچا نہیں کرتے ... حسرت سے سوئے چرخ کبھی دیکھا نہیں کرتے
گرتی ہوئی دیوار کو بالکل ہی گرا دو ... جو بن نہ سکے اُس کو بنایا نہیں کرتے

اور اس طرح عشق تعمیر و تخریب کی ہر جد و جہد میں انسان کو الجھائے رکھتا ہے اور اتنا اپنی مستیٔ شرابِ عمل میں نت نیا پیامِ سحر دیتی رہتی ہے تاکہ عشق اپنی کوئی تعمیر مکمل کرے:

دیکھتے کیا ہو یہ ہے جامِ شراب ... دستِ شاعر میں ہے قدحِ آفتاب
میری ہر اک فکر پیغامِ سحر ... ہر صدا میری صدائے انقلاب
کائنات شوق کچھ ذرّے نہیں ... میری زد پر ہیں نجوم و ماہتاب

چونکہ عشق فضائے بسیط و بیکراں پر چھایا ہوا ہے۔ اس لیے ہر وہ چیز جس پر نظر ٹھہر جائے محبوب ہے۔ محبوب دراصل عکسِ انا ہے

جس کا پیارا پن ہی تسکین و تشفّی ہے۔ آب و گِل کی لاتعداد شبیہیں، نادیدہ خیالات کی ان گنت پرچھائیاں جن سے عشقِ انا دوچار ہے عشق کو کثرت پرستی کی طرف راغب کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ انا چاند تاروں کے بتوں کے پجارن نظر آنے لگتی ہے اور عشق تعمیر و تخریب کے سلسلے میں اُلجھتا جاتا ہے۔ ہر قدم پر تعمیر ہے اور ہر تعمیر پر نئی تعمیر کی جد و جہد کے اشارے ملتے ہیں اور اس طرح عشق زمین و آسمان میں پیوند لگاتا چلا جاتا ہے۔ تاکہ کائناتِ نامکمّل کے سنگار مکمل ہو جائیں۔

کثرت سے رفوگر نے بہت کام نکالا　　شبہات پہ تنگ ہو گیا توحید کا پیوند
تپ جائے جو کندن کی طرح وہ ہے برہمن　　جو خاک میں مل جائے وہ اسلام کا پابند
ہم برہمنِ بتکدۂ چرخِ بریں ہیں　　پہناتے ہیں ہم تاروں کو ذرّوں کا گلوبند
کرتے ہیں ہمیں چادرِ شب چاک خلا کی　　اے ناز لگاتے ہیں ہمیں چرخ میں پیوند

زندگی اُس صوتیاتی کیف سے بنی ہے جو انسان کو سرگرمِ عمل رکھتا ہے۔ یہ گرمیِ عمل انا کی گرمیِ رقص ہے۔ جب یہ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے تو آوازیں مر جاتی ہیں، دل کی دھڑکنیں بند ہو جاتی ہیں اور موت آ جاتی ہے۔ موت کیا ہے؟ احساسِ انا کا باقی نہ رہنا اور جب احساسِ انا مر جاتا ہے تو ہر چیز مٹی ہو جاتی ہے:

سرد پڑ جائے تو مٹی ہے وجودِ عالم
گرم ہو جائے تو کندن بھی ہے یہ آگ بھی ہے
گرمیٔ رقص سے پاؤں کے شرر دیتے ہیں تو
زندگی چلتا ہوا گیت بھی ہے راگ بھی ہے

ہر ذی حس میں احساسِ انا کی نغمگی وجدانِ عشق ہے ۔ وہ وجدانِ عشق جو انسان کو سرگرمِ عمل رکھتا ہے ۔ جب بھی تھکن مایوسی کی تاریکیوں میں انسان کو غوطے دیتی ہے، اس وقت احساسِ انا کی شدت ہی شکست خوردہ دلوں کو اپنی راگنیوں سے گرماتی ہے اور خودیٔ کل بجھے ہوئے دل کی لَو تیز کرتی ہے ۔

ابرِ تاریک میں تاروں کے دیئے ڈوب گئے
جام میں آتشِ سیّال کی بجھنے لگی لَو
پی لے کچھ اتنی کہ آنکھوں میں نشہ چھا جائے
سرخ ڈوروں میں جھلکنے لگی پھوٹی ہوئی پو
بربطِ شوق اٹھا چھیڑ ذرا دیپک راگ
تاکہ دھرتی کے سیہ خانے منوّر ہو جائیں
کروٹیں لینے لگے زیست صنم خانوں میں
اور احساس سے بھرپور یہ پتھر ہو جائیں

تان وہ کھینچ کہ یہ چادرِ شب پھٹ جائے
راگ وہ چھیڑ کہ بادل کی پرت چھٹ جائے

جہاں احساسِ انا ہے وہیں زندگی باعمل ہے۔ جس میں خودی کا یہ احساس نہیں وہ بے عمل زندہ ہو کر بھی مردہ ہے۔ یہی احساس انسان کو انسان سے محبت سکھاتا ہے یہی احساس بشر کی تکمیلیت کا آخری ارتقا ہے۔

محبت آدمی کی ہے مقدّس
خدا کا نام کیوں انسان لیتے
خودی ہی ارتقائے آخری ہے
خود اپنے آپ کو پہچان لیتے
بشر کی صرف معراجِ انا ہے
خدا کیا ہے؟ یہ نکتہ جان لیتے

عرفانِ انا کی ایسی بھی ایک منزل ہے جہاں یہ تو محسوس ہوتا ہے کہ میں ہی میں ہوں لیکن اپنی ہی حدیثِ شوق پہچانی نہیں جاتی اور خود سے بے خبر اپنی ہی ان گنت پرچھائیوں میں انا یکے بعد دیگرے محبوب تلاش کرنے لگتی ہے اور ان پرچھائیوں کو خود سے الگ اپنے سے برتر حقیقت سمجھنے لگتی ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب احساسِ انا پوری شدت کے ساتھ نہیں ہوتا اور خودی خود سری کی طرف کچھ کچھ رجوع کرتی ہے۔

اے حدیثِ شوق تو مظہر ہے کس آواز کا
تھا کہیں کچھ بھی نہیں میرا ترانہ پیدا ہوا

کیا ہے کیا عکسِ انا آئینہ بتا ہے بات کس کس کی چلی جب جب مزاج چاہا ہوا

یہ وہ منزل ہے جہاں انسان اپنی ہی انا کی ان گنت پرچھائیوں

کی ان گنت اکائیوں میں بھٹک جاتا ہے کبھی عشق اپنے گرد و پیش

سے متاثر ہوتا ہے اور کبھی عالمِ خیال میں نئی شبیہیں تلاش کرتا ہے

اور وہ پھر نئی تخلیقات کی طرف مائل ہوتا ہے کہ خود کو اپنی کسی

تخلیق میں پا جائے

شکن شکن جبینِ ناز کہکشاں لئے ہوئے

جلالِ رُخ ہے آفتابِ ضوفشاں لئے ہوئے

سنوارنے کو زلفِ زیست چاہیئے اک آئینہ

زمین اپنے ہاتھ میں ہے آسماں لئے ہوئے

نجوم و ماہ و مشتری و شمس عکسِ خاک ہیں

کہ عکس عکس وسعتیں ہیں لامکاں لئے ہوئے

حدِ نظر پہ زیر و بم حیات کے کچھ اور ہیں

نوائے شوق ہے جہاں خموشیاں لئے ہوئے

شکستِ ذرّہ میں لئے ہزار ہا قیامتیں

مزاجِ اہرمن ہے شانِ ایزداں لئے ہوئے

زمیں کی تہہ میں آج بھی چل رہے ہیں زلزلے
فضائے ابر و باد میں ہے بجلیاں لئے ہوئے
تمام بزم کائنات اک کرشمۂ انا
وجود معجزاتِ غیب کا جہاں لئے ہوئے
چٹک کے غنچۂ انا پہیلیاں بجھائے ہے
بہارِ گل ہے پنکھڑیوں کی سوزیاں لئے ہوئے
خودی کی دوڑ دھوپ میں خودی ہی سودِ یافت ہے
تلاشِ حق میں یافتِ حق بھی ہے زیاں لئے ہوئے
تلاش اپنی ہی تلاش ہو کے ناز رہ گئی
نوائے شوق ازل ابد کے درمیاں لئے ہوئے

مایا اور برمھ کی انہی بھول بھلیاں میں انا اس مقامِ حیرت تک پہنچتی ہے جہاں وہ صدائے زندگی کی گونج سے سرشار ہو کر شرابِ نغمہ پینے لگتی ہے اور اس کو اپنے گرد و پیش کا ہر ماحول دلکش اور حسین دکھائی دیتا ہے۔ بے خودی کی یہ منزل احساسِ خودی کی انتہا ہے جہاں ایسی صوتیاتی کیفیت ہوتی ہے کہ راگ سے روشنی پیدا ہوتی ہے اور روشنی سے راگ پیدا ہوتے ہیں اس منزل پر پہونچتے پہونچتے صاحبِ انا اپنی تخلیق و تعمیر کا سلسلہ ختم کر لیتا

ارتقا کے مختلف منازل سے گذر کر مکمل آگہیٔ انا میں ڈھل جاتا ہے۔ یہاں ہلکا ہلکا احساسِ انا ہے۔ عرفانِ انا کی یہی آخری منزل ہے۔

حسین تر حمات کی مجھے ادا دکھائی دی
قریب تر صدائے زندگی مجھے سنائی دی
تمام مرحلے مری حیات کے یوں طے ہوئے
کہ منزلیں ملیں وہاں جہاں نہ رہ سجھائی دی
وہ کیف و مستی عشق کی مرے ہی بس کی بات تھی
کہ زیست جھوم جھوم اُٹھی کہ موت نے دہائی دی
نہ جانے لعبتِ زندگی تھی منزلِ حیات کیا
کہ روشنی سنائی دی، صدا مجھے دکھائی دی
صنم کدہ کی بے پناہ وسعتیں تو دیکھیے
تصورِ خدا میں صورتِ صنم دکھائی دی
مجھے حدیثِ شوق کی وہ بازگشت سی لگی
گلاب و لالہ کی زباں سے بات جو سنائی دی

آپ بھی اس منزل تک پہونچیں میری یہی تمنا ہے اور اسی لیے میں آپ کو پیغامِ انا دے رہا ہوں۔

تو صاحبِ عرفانِ خدا ہے کہ نہیں ہے
لازم ہے کہ تو صاحبِ عرفانِ خودی ہو

ہر ایک پہ لازم نہیں پابندیٔ سجدہ
ہر شخص پہ لازم ہے نگہبانِ خودی ہو

چرن سرن ناز

نذر کرتا ہوں

نگاہِ ساقیٔ محفل کی تمکنت کے لیے
غرورِ سطوتِ انکار نذر کرتا ہوں
رہے نہ کوئی بھی محتاجِ ساغر و مینا
وہ اعلیٰ ظرفیٔ میخوار نذر کرتا ہوں
صنم صنم میں رقابت کا جو سبب ہے وہی
جسارتِ دلِ خوددار نذر کرتا ہوں
جبینِ چرخِ کہن تاکہ اور جھک جائے
کمالِ رفعتِ افکار نذر کرتا ہوں
حلال میری مئے معرفت نہیں نہ سہی
سرورِ بادۂ دیدار نذر کرتا ہوں
نگاہِ نقد کو شاید پسند آ جائے
فنِ حیات کا شہکار نذر کرتا ہوں

☆

نوائے شوق

(۱)

گونج رہی ہے ہر طرف نازمری نوائے شوق
بزمِ غنا ہے کائنات سازمری نوائے شوق
گونج سکوتِ شب کی یہ، لے کی یہ تھرتھراہٹیں
راز ہے گفتگوئے وقت، رازمری نوائے شوق

میری نوائے شوق سے چھلکا ہے قدحِ آفتاب
کر گئی بابِ میکدہ باز مری نوائے شوق

میری نوا سے بزم بزم آج ہے گرمیِ ظہور
کل تھی دلِ وجود کا راز مری نوائے شوق

دہرِ فناں تھا تہہ بہ تہہ آخر سمٹ کے رہ گیا
کھول گئی تمام تر راز مری نوائے شوق

کتنے مہ و نجوم کے چرخ پہ جل اٹھے چراغ
چھیڑ گئی وجود کا ساز مری نوائے شوق

میری نوائے شوق اک راز تھی بطنِ غیب میں
کھل کے بھی ایک راز ہے ناز مری نوائے شوق

فکرِ سخن ہیں پھر بھی ہیں پہونچا نہیں کہاں کہاں
کھولے ہے وسعتوں کے کل راز مری نوائے شوق

میری نوائے شوق سے سارے جہان کی نمود
بابِ عدم کو کر گئی باز مری نوائے شوق

میری صدا کی بازگشت وجہِ وجود بن گئی
گونج صدائے کُن کی ہے ناز مری نوائے شوق

(۲)

چونک اُٹھا سکوتِ شب، جاگی حیات ہر طرف
اوس گری کلی کلی، موتی ڈھلا صدف صدف

میری نوائے شوق سے جاگ اُٹھی بہارِ نو
صحنِ چمن میں بچھ گئی پھولوں کی سیج صف بہ صف

میری نوا سے کروٹیں لینے لگے بتانِ ہند
میری اذانِ شوق سے بس گئی وادیٔ نجف

میری نوا چمن چمن کھول گئی کلی کا منھ
سُن کے مری نوائے شوق چہکے طیور ہر طرف

میری نوائے شوق سے چاک ہوا دلِ وجود
میری نوائے شوق کی چھا گئی گونج ہر طرف

میری ہی گرمیٔ نوا بال گئی فلک فلک
ماہ و نجوم و شمس کے لاکھوں چراغ ہر طرف

زیست رواں دواں ہوئی میری نوائے شوق سے
رزم گہہ وجود میں ناز ہوں میں ہی جان بکف

(۳)

عشق تمام آرزو حسن تمام کائنات
میری نوائے شوق سے رونقِ محفلِ حیات

سینۂ عشق کی کسک، جلوۂ حسن کی کشش
میری نوا جہانِ درد، عالمِ حسن میری بات

میری نوائے شوق سے چاک ہے سینۂ عدم
میری نوائے شوق ہی سلسلہ ہائے واردات

عالم تمام بقعۂ نور، رقصِ کناں ضیا ضیا
میری نوائے شوق سے رونقِ بزمِ صوتیات

میری نوائے شوق سے کوندی ہے برقِ طور بھی
میری نوائے شوق سے روشن چراغِ سومنات

میری نوا کی چھیڑ سے پیکرِ نور ڈھل گئے
شیشہ بہ شیشہ عکس زا میرے ہوئے توہمات

میری نوا کی ضرب سے ٹوٹا سکوتِ بیکراں
میری نوا کی گونج سے بھر گئی نازِ کائنات

(۴)

دیر و حرم میں صبح دم گونج اُٹھی مری نوا
خود کو پکارتا تھا میں آیا نظر مجھے خدا

بام پہ کوئی لالہ رخ رہ رہ مجھے بلائے کیوں
میری سمجھ سے ہے پرے عشوہ و غمزہ و ادا

حُسن ہے کیا صنم صنم، رنگ ہے کیا کلی کلی
میرے جنونِ شوق کو آج نہ جانے کیا ہوا

جھپکی سی آئی خواب سا آنے لگا مجھے نظر
حد سے گزر کے درد ہی درد کی بن گیا دوا

سینے میں میرے پے بہ پے ٹیس سی اُٹھ کے رہ گئی
دیر تلک سکوتِ غم راگ سا گونجتا رہا

نازؔ مری نوائے شوق کھول گئی یہ راز بھی
شیشۂ کائنات میں حُسن ہے پر توِ انا

(۵)

اور ہے منزلِ جنوں کیجیے نہ یاں قیام اور
دیر و حرم سے بھی پرے عشق کا ہے مقام اور

وقت کی تیز دھوپ میں چھاؤں نہ ڈھونڈھیے کہیں
آگئی وادیٔ جنوں راہ ہے چند گام اور

میں نے پیام دیں پہ بھی یوں تو یقین کر لیا
پھر بھی زبانِ قلب میں عشق کا ہے پیام اور

شیخ کا مکر ہے رگی میرے خلوص میں نہیں
زہد کی گفتگو تھی اور عشق کا ہے کلام اور

قیدِ قفس سے کیا چھٹے خطرۂ قید بڑھ گیا
وسعتِ بیکراں میں بھی بکھرے ہوئے ہیں دام اور

مانا کہ شب کی داستاں صبح تمام ہو گئی
پھر بھی ہیں ذہنِ عشق میں قصۂ ناتمام اور

نازؔ حدودِ زیست سے دور نکل گیا ہوں میں
خود کو پکارتا رہوں اب لے کے کسی کا نام اور

○

میری نوا کی نغمگی روشنیٔ چہار سو
میری نوا کی ضرب سے حُسن ہر ایک شعلہ رو
میری حدیثِ زندگی گونج اُٹھی چمن چمن
میری نوا کی بازگشت لالہ و گل کی گفتگو
حُسن کی شوخیٔ خرام میرے خرام کی دھمک
جادہ بہ جادہ، رہ بہ رہ، کوچہ بہ کوچہ کو بہ کو
حسن و کشش صنم صنم، حسرتِ دید چشم چشم
میری نوا کا ارتقا، میرے خیال کا نمو
میرے ہی نطق کی پھوار بھر گئی آبِ زندگی
برسی ہے اُس طرف گھٹا چھلکے ہیں اس طرف سبو
میری ہی خواہشِ نمو ڈھال گئی یہ کائنات
زہرہ و مشتری و ماہ میرے نقوشِ آرزو
لالہ و گل روش روش میری ہی کوششِ تلاش
میری نوا چمن چمن تیزیٔ سیلِ رنگ و بو
اتنی سمجھ کے باوجود پوچھ رہا ہوں در بدر
شورشِ بازگشت میں بول رہا ہوں میں کہ تو
نازِ توہمات کی ملتی نہیں حدیں کہیں
لگتا ہے میں نہیں ہوں میں لگتا ہے تو نہیں ہے تو

○

کب تک ملے

(۱)

نطق کو طرزِ بیاں دیکھئے کب تک ملے
میرے دہن کو زباں دیکھئے کب تک ملے

صبح ہے تعبیرِ غم رات ہے خوابِ گراں
حاصلِ خوابِ گراں دیکھئے کب تک ملے

اجڑی ہے ہر اک روش باغ ہے بے باغباں
باغ کو پھر باغباں دیکھئے کب تک ملے

حادثۂ زیست میں حاملِ عنواں ہے جو
عشق کی وہ داستاں دیکھئے کب تک ملے

راہِ جنوں ہے ہنوز جادۂ سود و زیاں
منزلِ سود و زیاں دیکھئے کب تک ملے

جس پہ جبینِ انا جھکنے کو مائل ہے پھر
شوق کا وہ آستاں دیکھئے کب تک ملے

راس تو آئی بہت ذرۂ خاکی کو جست
ناز مگر آسماں دیکھئے کب تک ملے

(۲)

کیف و سرورِ خودی دیکھئے کب تک ملے
حاصلِ بادہ کشی دیکھئے کب تک ملے
عشق نہیں مطمئن آگہیِ غیب سے
اپنی مجھے آگہی دیکھئے کب تک ملے
دیکھئے ذرّہ رہے تابکے محتاجِ شمس
آنکھوں کو پھر روشنی دیکھئے کب تک ملے
دیکھیے کب تک رہے دل میں غمِ آگہی
منزلِ دیوانگی دیکھئے کب تک ملے
صحرا بہ صحرا مجھے لے کے چلا ہے جنوں
جادۂ آوارگی دیکھئے کب تک ملے
سنگِ حدِ ارتقا منزلِ عرفاں ہے جو
نازؔ وہی کافری دیکھئے کب تک ملے

وجود

ازل سے تا بہ ابد اک الاپ ہے یہ وجود
ہر اک سمت ہے گونجی ہوئی صدائے کن
عروسِ زیست کے سنگار بجتے رہتے ہیں
فضا میں گونج رہی ہے حیات کی رن جھن
یہ گنگناتے ہوئے زندگی کے ماہ و سال
یہ لمحہ لمحہ ابھرتی ہوئی حیات کی دھن

یہ ماہ و سال کے نغموں کا ایک رس ہوتا
یہ ایک نظم جسے سب زمانہ کہتے ہیں
نہ جانے کتنی الاپیں ہیں ذہنِ فردا میں
نہ جانے کتنے ترانے فضا میں بجتے ہیں
ان انگلیوں میں تھکن بار بار آتی ہے
مگر یہ چھیڑے ہوئے ساز بجتے رہتے ہیں

تخلیقِ کائنات

ہلکا ہلکا یہ ارتعاشِ غیب
دور بجتی ہوئی یہ شہنائی
یہ چٹکتی ہوئی رگوں کے بول
گنگناتی ہوئی یہ انگڑائی
تھرتھراتا ہوا سکوتِ شب
خواب سا دیکھتی ہے تنہائی

تھرتھراتی ہے سرخیٔ رخسار
جیسے شیشے سے مے چھلکتی ہے
صبحِ نو کی حسین پرچھائیں
آرسی میں تری جھلکتی ہے
رات کی مستیٔ مئے نغمہ
خامشی سے تری ڈھلکتی ہے

صبح کی جہدِ شب کی بات ہوئی
یوں ہی تخلیقِ کائنات ہوئی

○

فروغِ ذرّہ

مری زمین پہ ستاروں کی بادشاہت تھی
نگاہ وقف تھی پروین و مشتری کے لیے
خرد کو بھا نہ سکی میری چاک دامانی
جنوں نے ہوش سنبھالا رفوگری کے لیے
کلی کے ہونٹ کھلے رس چھلک پڑا گل سے
حدیثِ شوق ہوئی وقف کافری کے لیے
نقاب رعد الٹ کر شعاعِ برقِ تپاں
بشکلِ مشعلِ رہ آئی رہبری کے لیے
فلک نے جھک کے کیا اعترافِ رفعتِ خاک
زمیں سے دھول اڑی گُل کی برتری کے لیے
مزاجِ ذرّہ کی دیکھی جو گرمیِ تگ و دو
ادائے خاک لی تاروں نے دلبری کے لیے
قمر نے اپنے لئے بڑھ کے چاندنی مانگی
شعاعِ مہر نے ایماں کی روشنی مانگی

کہا یہ زہرہ نے "میری جبیں کی تابانی
بجھی بجھی سی ہے الفت کی آگ دے مجھ کو
دیا تو بال محبت کا میرے ماتھے پر
خود اپنے سوز کا رنگیں سہاگ دے مجھ کو"
لبِ خموش سے بولا ستارۂ سحری
"کلی کے ہونٹ کا خاموش راگ دے مجھ کو"
تڑپ کے چیخ اٹھا اک بجھا ہوا سورج
"دلِ بشر میں جو پنہاں ہے آگ دے مجھ کو"
کہا یہ رات نے زلفوں کو اپنی بکھرا کر
"وہ گل دے مانگ میں جو مَن وہ ناگ دے مجھ کو"

دلوں کے گھاووں سے سینوں کو لالہ زار کیا
فلک نشینوں نے سوز و گدازِ خاک لیا

فروغِ ذرّہ سے بڑھتی ہے وسعتِ دنیا
مکاں میں بند کہیں لامکاں نہ ہو جائے

مرے خدا جو مرا غم ہے امتحانِ وفا
وہ اضطراب ترا امتحاں نہ ہو جائے

ہنوز فانی ہے تیرا شعورِ معماری
شعورِ خاک کہیں جاوداں نہ ہو جائے

وہ موج آج جو بچھڑی ہے آبِ دریا سے
تلاشِ بحر میں خود بیکراں نہ ہو جائے

وہ حُسنِ غیب جو عنوانِ داستاں ہے ہنوز
مرے وجود سے ڈھل کر عیاں نہ ہو جائے

عروجِ خاک کا آخر مآل کیا ہو گا
دماغِ ذرّہ میں تیرا خیال کیا ہو گا

دعوتِ عمل

ابرِ تاریک میں تاروں کے دیے ڈوب گئے
جام میں آتشِ سیّال کی بجھنے لگی لو
پی لے کچھ اتنی کہ آنکھوں میں نشہ چھا جائے
سرخ ڈوروں میں جھلکنے لگے پھوٹی ہوئی پو

آج پھر حدِّ نظر تک ہے اندھیرا اے دوست
رات بھادوں کی ہے گھنگھور گھٹا چھائی ہے
خاک کے ذرّوں میں تابانیٔ احساس نہیں
صبح گو جاگ اُٹھی ہے مگر السائی ہے

بربطِ شوق اُٹھا چھیڑ ذرا دیپک راگ
تاکہ دھرتی کے سیہ خانے منوّر ہو جائیں
کروٹیں لینے لگے زیست صنم خانوں میں
اور احساس سے بھرپور یہ پتھر ہو جائیں

تان وہ کھینچ کہ یہ چادرِ شب پھٹ جائے
راگ وہ چھیڑ کہ بادل کی پرست چھٹ جائے

رہرو سے خطاب

راہ میں اونچے اونچے پربت
جن کے سائے توڑ دیں ہمّت
پربت کیا ہیں کال کے سائے
دیکھ ترا من خوف نہ کھائے
ان سایوں کو دور بھگا دے
اپنے عمل کا نور بچھا دے
کال ہے تیری راہ کا ڈاکو
اس پر پا لے اپنا قابو
لاکھ کہے یہ مرنا ہوگا
تجھ کو ساہس کرنا ہوگا
کال کے بندھن توڑ دے راہی
موت سے ڈرنا چھوڑ دے راہی

شکستِ خاک

فلک کو کس نے بنایا ہے سیرگاہِ جنوں
حدِ نگاہ پہ کیسے شرار ہیں ساقی
زمیں کی خاک رہِ کہکشاں سے کیسے اڑی
ستارے آج بہت بے قرار ہیں ساقی
یہ اضطراب ہے ٹوٹے ہوئے ستاروں کا
ہائیں کس مدار پہ جو بے مدار ہیں ساقی
شکستِ خاک میں جولانیِ حیات ہے کیا
ہے جس سے لرزاں زمیں وہ فلک کی بات ہے کیا

نجوم و شمس و قمر یہ عطارد و زہرہ
شرابِ نور کے چھلکے ہوئے یہ پیمانے
یہ دیوتا کے بھرم، یہ ظہورِ حسنِ خدا
طلسمِ غیب کے اُلجھے ہوئے یہ افسانے
مئے خودی نے مگر وہ سرور بخشا ہے
کرۂ آسمان کے سب ہو رہے ہیں میخانے
رہ سراب پہ موجِ مئے ثبات اُٹھی
فنا کی وادی سے اک شورشِ حیات اُٹھی

اضطراب

ہے یہ کس کا پیامِ شوق اے دل
گونج ہے کس صدا کی کانوں میں
تیری دھڑکن میں کس کی آہٹ ہے
ذکر کس کا ہے آسمانوں میں

چاند تاروں میں کس کی بات ہے آج
اس قدر کیوں حسین رات ہے آج
رقص یہ چاندنی کا آنگن میں
اور ستاروں کی یہ سبک گامی
کیسی آواز ڈھل رہی ہے یہ
کیسی یہ گونج سی ہے الہامی
راگنی کیوں بہت سُریلی ہے
شعر کی فکر کیوں نشیلی ہے

مقامِ ابلیس

گرمی ہے ترے خون میں انکار کی لو سے
ہر چیز میں اک راز تھا تشکیک سے پہلے

ادراک نے ہر سرِّ نہاں کھول دیا ہے
گمنامی تھی ابلیس کی تحریک سے پہلے

سینے میں ترے جہد کی آواز ہے ابلیس
فردوس سے انجام تو آغاز ہے ابلیس

یہ وعدۂ فردوس، یہ مجبوریِ داور
یہ حاصلِ تحریکِ بشر ہی نہیں اے دوست

ابلیس کا بھی اس میں بڑا ہاتھ رہا ہے
کیوں کہتا ہے کچھ اس کا اثر ہی نہیں اے دوست

آمادہ بغاوت پہ جو شیطان نہ ہوتا
انسان کبھی صورتِ انسان نہ ہوتا

●

گمرہی

وہ مئے معرفت نہیں نہ سہی
ارتقائے حیات کیا کم ہے؟
سلسلہ جس کا ختم ہو نہ سکے
عمر بھر کی وہ بات کیا کم ہے؟
اور ایجادِ روشنی کے لیے
زندگی کی یہ رات کیا کم ہے؟
ایک دانہ ذرا سا گندم کا
پوچھتا ہے مزاج انجم کا
دودِ دل باعثِ سکون نہ سہی
اس خلش میں اک آسماں تو ہے
حدِ امکاں میں آدمی کے لیے
کوئی تخیلِ لامکاں تو ہے
حاصلِ زیست انتشار سہی
کوئی امیدِ جاوداں تو ہے
زندگی کا ظہور ہے ابلیس
ارتقا کا شعور ہے ابلیس

فرق

جاگ اُٹھی ذرّۂ بے تاب کی جس وقت خودی
ٹمٹماتے ہوئے تاروں کی ہوئیں آنکھیں بند
مردِ خوددار ابھرتا ہی گیا سوئے فلک
تابِ خورشید نے گو اُس کو ڈرایا ہر چند
آخرش اپنی ہی قوّت کے سہارے اس نے
ڈال دی گردنِ پروینِ ثریا پہ کمند

اور نامرد بے جینے کی ہوس میں اپنے
ناتواں ہاتھوں میں تھامی ہے خوشامد کی سپر
اپنے اطراف کا ہر وقت وہ زندانی ہے
حدِّ ماحول سے آگے نہ گئی اس کی نظر
یہ بھی سمجھا نہ وہ کیوں موسمِ گل میں گل نے
قلب کو خون کیا چاک کیا اپنا جگر

آدمی کہنے کو نامرد بھی ہے، مرد بھی ہے
زیست ہے مرد کی ہر لحظہ تلاشِ جنّت
اور نامرد ہے آسودۂ پستیٔ حیات
نارِ دوزخ کو ہوا دیتی ہے جس کی وحشت
وحدتِ جذبۂ نامرد بدل لے معبود
کثرتِ شوق میں ہے مرد کی حُسنِ وحدت

ساجد خاک سمجھنے لگا خود کو مسجود
اُف یہ فنکاریٔ نامرد کا چڑھتا ہوا رنگ
یہ خوشامد کا بنایا ہوا خوش رنگ نگار
خاک ہے خاک وہ آہن ہو کہ فولاد کہ سنگ
سحر کوئی بھی ہو دو چار گھڑی رہتا ہے
بزدلو حُسن سے تم کس کے ہوئے جاتے ہو دنگ

اس کو ہر قوّتِ بیدار پرکھ سکتی ہے
وقت کو وقت کی تکرار پرکھ سکتی ہے

●

آدمی

آدمی خاک بھی ہے کندن بھی
خاک میں وصفِ کیمیا بھی ہے
سینۂ خاک میں نشیب و فراز
انقلابات کا خدا بھی ہے
آدمی صرف مشتِ خاک نہیں
حسنِ عالم کا ارتقا بھی ہے
کتنے اعجاز، کتنی تخلیقیں
وہ پیمبر بھی، دیوتا بھی ہے
راہبر بھی ہے، راہرو بھی وہ
اور وہ گردِ راستا بھی ہے
آدمی خاک کا بھی ہے پتلا
اور کچھ خاک سے سوا بھی ہے
آدمی خاک ہی اگر ہوتا
ارتقائے حیات مشکل تھا

●

مکالمۂ جنون و خرد

خرد

میں ابتدائے محبت، میں ابتدائے حیات
مرے ہی ہاتھوں نے رکھی وجود کی بنیاد
جبال و صحرا کا میں نے مزاج پوچھا ہے
بنا رہی ہے بشر کو خدا مری ایجاد

جنون

تو ابتدا ہے مگر منزلِ حیات ہوں میں
میں ارتقا کے کئی موڑ دیکھ آیا ہوں
بھٹک رہی ہے تو کونین کی حدوں میں ابھی
بشر کو میں ہی فلک پر اڑا کے لایا ہوں
ترا غرورِ خداوندیٔ بشر نہ ہوا
بشر کو ساتھ لیے میں خدا تک آیا ہوں

خرد

میں ہوں وجود مگر تو وجود کا آخر
نگاہِ شوق نہیں تو حیات کیا ہوگی؟
جو بے حسی ہی ہے نظمِ وجود کا حاصل
تمام حسن کی سپھر کائنات کیا ہوگی

جنون

شروعِ زیست عدم، آخرِ حیات عدم
تو بے پناہ حدوں میں حسین وقفہ ہے
وہ عمرِ وقت جسے مدّتیں نہ ناپ سکیں
ترا وجود اسی عمر کا اک حصّہ ہے
اُلجھ کے رہ گئی تو اپنے روز و فردا میں
ترا وجود حقیقت کا ایک لمحہ ہے

خرد

میں ایک جہدِ مسلسل تو انتہائے جہد
میں ایک چلتی ہوئی راگنی سکوت ہے تو
میں زندگی کی رگوں میں روانیِ خوں ہوں
تو زندگی رگوں میں ہے انجمادِ لہو

ارض و سما

ذرّوں سے جا کے اُلجھی جو خورشید کی ضیا
ہر ذرہ آفتاب کی مانند ہو گیا
ابھریں زمیں سے سوئے فلک یوں تجلّیاں
آخر جلالِ عارضِ خورشید کھو گیا
گھبرا کے آفتاب نے شب میں پناہ لی
تاروں کی روشنی میں جہاں گیر سو گیا
یوں آسمان رویا کہ شبنم ٹپک پڑی
لیکن تجلّیٔ عرش کی دھرتی نہ پا سکی
اُس عالمِ بلند سے آئے کئی پیام
لیکن زمیں کی تہہ کا ہمکتا رہا ضرور
دھمکایا برق و رعد نے پیہم زمین کو
پیہم بلند ہوتا گیا خاک کا شعور
مہتاب و آفتاب کی آخر بساط کیا
شرما گیا فلک پہ ابھر کر چراغِ طور
سجدے میں سر جھکایا جہاں تک جھکا سکا
لیکن فلک زمین کی چوکھٹ نہ پا سکا

من و تو

ستارے تو نے توڑ کے ذرّے بنائے ہیں
ذرّوں کو میں نے توڑ کے سورج بنا دیا
جس کی تپش سے گرمیٔ جہدِ حیات ہے
جس کی ہر اک کرن نے اُجالا بڑھا دیا
لیکن ترے غرور نے رسوا کیا مجھے
تیرے جلالِ غیض نے بندہ بنا دیا
ہاتھوں پہ میرے آج ہے وہ قدحِ آفتاب
جس نے مجھے عمل کا نیا حوصلہ دیا
ابلیس ہو کہ آدمِ خاکی کوئی بھی ہو
ارفع کو تو نے جانبِ پستی گرا دیا
دیکھا گیا نہ مجھ سے تو میں نے بہ زعمِ عشق
تیرے غرورِ قہر کا پردہ اٹھا دیا
پستی کے رہنے والوں کو میں نے چھلانگ دی
میں نے زمیں سے چاند ستاروں کو بانگ دی

جہدِ ہستی

جہدِ ہستی مرد کا اعجاز ہے
لامکاں تک مرد کی پرواز ہے

کچھ نہ تھی فطرت تحیّر کے سوا
جہد و جہد انکشافِ راز ہے

حسن کے جلوے ہمارے دل میں ہیں
لنترانی دُور کی آواز ہے

زہد سوئے آسماں تکتا رہا
عشق لیکن مائلِ پرواز ہے

راہ کے پیچ و خم سے کیوں ڈریں
ہم کو اپنے حوصلوں پر ناز ہے

وسعتِ خاموش میں ہے گونج سی
ہر طرف آوازہ ہی آواز ہے

نازؔ آؤ اُس سفر پر چل پڑیں
جس سفر کا ہر قدم آغاز ہے

ہر ایک عہد میں میں ہی ہوں سرِ پیکار

مرے خیال سے لے کر ہی تیزیٔ رفتار
شعاعِ نور بہت بے قرار چلتی ہے
میں جاگتا ہوں تو سورج کی آنکھ کھلتی ہے
مرے ہی ساتھ نسیمِ بہار چلتی ہے
یہ ابر سانس ہیں میری مرے تنفس سے
گھٹا فلک پہ سوئے کوہسار چلتی ہے

مرے وجود کی گرمی سے گرم ہر بازار
مری جبیں سے برستی ہے روشنی کی پھوار
مری مژہ پہ لرزتی ہے کہکشانِ سحر
ہر ایک عہد میں میں ہی ہوں برسرِ پیکار
مرے عمل کا کرشمہ ہے یہ نمودِ جہاں
فقط زباں سے نہیں ہوں میں غازیٔ گفتار

احساسِ خودی

ہم اپنے ساتھ چلے مستیٔ زمانہ لیئے
ہوائیں بہکیں ہمارے قدم جو بہکے ہیں
ہمیں نے آنکھ اٹھائی تو نرگسیں جاگیں
شراب ہم نے جو پی تو گلاب مہکے ہیں
مئے وجود خُمِ غیب سے چھلکنے لگی
ہوئی ہر ایک طرف سے تلاشِ پیمانہ
تلاشِ جام سے پیدا ہوا شعورِ خودی
خُمِ عدم میں خدا تھا خودی سے بیگانہ
مئے وجود پہ لہرا گیا شعورِ خودی
اُسی ظہور میں اُلجھی ہے عقلِ فرزانہ
ہزار بار جو نازل ہوئی وحی بن کر
ہے کائنات کی تحریر ہی وہ افسانہ

عالمِ خیال

رقصِ کرتے ہوئے پروین و ثریّا کے قدم
ٹمٹماتے ہوئے تاروں کا یہ سرگم ساقی
جنتِ مہتاب کی انگلی کی چٹکتی ہوئی پور
رات کی لٹ سے ٹپکتی ہوئی شبنم ساقی
اک حسیں خواب کی آہٹ کا بھرم ہو جیسے
دور بجتے ہوئے گھونگرو کی چھما چھم ساقی
قطرے قطرے میں یہ بجتے ہوئے راگوں کے دیئے
مے کی ہر چھینٹ میں اک نور کا عالم ساقی
سنسناتی ہوئی یہ گونج سی کانوں میں مرے
جلوے آنکھوں میں ابھرتے ہوئے پیہم ساقی
حدِّ ادراک پہ ملتے ہوئے تشکیک و یقین
نشہ چھاتا ہوا آنکھوں میں یہ کم کم ساقی
عالمِ وجد بہت دور نہیں ہے شاید
ہوش و مستی کا اگر ہے یہی سنگم ساقی

حلقۂ تخیل میں تاریک فضاؤں سے پرے
بنتِ انگور کے جلووں کا اُجالا ساقی
یہ گمکتا ہوا ماتھے پہ محبت کا سہاگ
گردِ مہتاب ارادوں کا یہ ہالا ساقی
یہ کھنکتی ہوئی آواز یہ سنگیت کی لو
سلسلہ راگ کا تاروں کی یہ مالا ساقی
موجِ مے ناچ اُٹھی جھوم اُٹھیں راگنیاں
میں نے ہونٹوں سے لگایا جو پیالا ساقی

سنسناتی ہوئی آوازوں کا حسنِ ترتیب
نغمہ و نور کے ڈھلتے ہوئے پیکر ساقی
یہ ترا فیضِ محبت یہ شعورِ رندی
میری آباد ہے دنیائے تصور ساقی

تلاشِ آنا

ارتقائے خیال ہے کس کا
جس کا پرتو ہے یہ طلسمِ وجود
ایک فریبِ نظر سا لگتا ہے
کیسے افشا ہو رازِ غیب و شہود

ہم نہ سمجھے معمۂ من و تو
کھو دیا دل کا اعتبار ہم نے
تیرے دھوکے میں بارہا اے دوست
غیر کو بھی کیا ہے پیار ہم نے

کون سا روپ ہے ترا اے دوست
ڈھنڈلے ڈھنڈلے ہزار سائے ہیں
وہ بھی لگتے ہیں آج اپنے سے
جن کے انداز سب پرائے ہیں

ہم نے جس روپ میں تجھے ڈھونڈا
عکس اپنا ہی وہ نظر آیا
تو کہاں ہے کہاں نہیں اے دوست
دل فریبِ نظر سے بھر آیا

ہم ہی بکھرے ہوئے نظر آئے
ہم نے آئینہ سنگسار کیا
اب سمٹتے نہیں ہیں یہ سائے
ہم نے خود کو ہی بے شمار کیا

خود کو خود ہی نظر نہیں آتے
جانے کس کس کو دیکھتے ہیں ہم
سعیٔ جہدِ تلاش میں کھو کر
آج خود کو ہی ڈھونڈتے ہیں ہم

کوئی بھی مرکزِ نظر نہ ہوا
دل کو بھی دل پہ اعتبار نہیں
نازؔ اس عالمِ تغیر میں
آدمی کو کہیں قرار نہیں

حاصلِ شوق ہے تلاشِ خودی
وہ بتوں میں نظر نہیں آتی
ہو گئے چور دھڑکنیں سُن کر
ہم کو اپنی خبر نہیں آتی

اپنی ہی گونج میں جو کھوئی ہے
اس صدا کو کہاں تلاش کریں
جس کی ہے اک الاپ یہ عالم
اس انا کو کہاں تلاش کریں

•

قطعہ

تو صاحبِ عرفانِ خدا ہے کہ نہیں ہے
لازم ہے کہ تو صاحبِ عرفانِ خودی ہے
ہر ایک پہ لازم نہیں پابندیِ سجدہ
ہر شخص پہ لازم ہے نگہبانِ خودی ہے

•

کاش!

دور اک دُھن سنائی دیتی ہے
وقت کے ہاتھ میں رباب ہے آج
پلئے ساقی پہ سر ہے، سر میں جنوں
رُوپ میں مستیٔ شراب ہے آج
شرم کی اوٹ میں چھپی ہے نظر
عشق کی آنکھ پر حجاب ہے آج
کوئی پردہ سا درمیاں ہے ہنوز
حُسن مانا کہ بے نقاب ہے آج
ایک لمبی الاپ تیرا وجود
جس کی ٹوٹی ہوئی صدا ہوں میں
عشق جو ارتقائے آخر ہے
حُسن کی تیرے وہ ادا ہوں میں
کاش پھر یہ صدائیں مل جائیں
عشق اک راگ میں سنور جاتا

جمود

بجھے بجھے سے یہ جلتے ہوئے زمیں کے چراغ
یہ تیرگی، یہ فضا اور یہ بھیانک رات
فضائے خنک سے رستا نہیں ہے قطرۂ نور
لحافِ ابر میں سوئی ہوئی ہے برقِ حیات
یہ خامشی، یہ فضا، یہ اُداس اُداس سکوت
یہ ڈوبتی ہوئی نبضیں، گھٹی گھٹی ہوئی سانس
یہ دُور دُور سسکتی ہوئی خموشیٔ یاد
یہ سرسراتے ہوئے کوٹھیوں کے سوکھے بانس
یہ سہمے سہمے منٹ، یہ ڈرے ڈرے گھنٹے
تھکے تھکے ہوئے لمحے، یہ انتظار بہار
یہ ڈوبتی ہوئی سسکی، یہ رینگتی ہوئی موت
گھڑی کی سوئیوں کی یہ سست سست سی رفتار
ہر ایک سمت ہے چھایا ہوا کچھ ایسا جمود
مٹے مٹے سے نظر آتے ہیں نقوشِ وجود

برہمن

اس دور کا انساں کبھی سجدوں کا ہے پابند
ہے مظہرِ تسلیم لبِ شراب کبھی خداوند
انکار سے ہر وقت نئی آن، نئی بان
تسلیم میں گم ہو گیا اسلام کا فرزند
جو صاحبِ دل ہیں وہ خدا ڈھونڈ رہے ہیں
بن جاتے ہیں آپ اپنے خدا جو ہیں خردمند
جو آپ سے ڈھل جائے وہ انسان کا پیکر
تسلیم کے پیکر کو بناتا ہے خداوند
کثرت سے رفوگر نے بہت کام نکالا
شبہات پہ تنگ ہو گیا توحید کا پیوند
تپ جائے جو کندن کی طرح وہ ہے برہمن
جو خاک میں مل جائے وہ اسلام کا پابند

ہم برہمنِ بت کدۂ چرخِ بریں ہیں
پہناتے ہیں ہم تاروں کو ذروں کا گلوبند
مریخ نے آواز دی، زہرہ نے پکارا
ہم رہ نہ سکے اپنے خیالوں میں نظر بند
ذرّے نے لی وہ جست کی خورشید بھی لرزا
مٹّی کی کرن سے ہے خجل نورِ خداوند
تاروں کی خدائی کا بھرم کھول کے آخر
بن بیٹھے ہر عالم کے خدا ہم وہ خردمند
دنیائے تجسس میں خرد کا ہے مقام اور
دل پستیٔ تسلیم میں رہتا ہے نظر بند
کرتے ہیں ہمیں چادرِ شب چاک خلا کی
اے ناز لگاتے ہیں ہمیں چرخ میں پیوند

قطعہ

سرد پڑ جائے تو مٹّی ہے وجودِ عالم
گرم ہو جائے تو کندن بھی ہے یہ آگ بھی ہے
گرمیٔ رقص سے پاؤوں کے شرر دیتے ہیں لو
زندگی چلتا ہوا گیت بھی ہے راگ بھی ہے

★

خوابِ جناں نہ دیکھ

ہر ذرّہ آفتاب ہے گرمیٔ شوق سے
روشن غبارِ پا ہے تری کہکشاں نہ دیکھ

زیرِ زمیں اک آگ کا دریا ہے موج زن
یہ آسماں دھواں ہے فقط یہ دھواں نہ دیکھ

پھولوں کی نرم آنچ سے لے گرمیٔ حیات
پھیلی ہوئی شفق ہی کو شعلہ فشاں نہ دیکھ

پانی کی بوند بوند میں چمکے ہے نور سا
بادل کی رینگتی ہوئی برقِ تپاں نہ دیکھ

روشن ہوئی ہے گرمیٔ رفتار سے زمیں
یہ خود جہانِ نور ہے خوابِ جناں نہ دیکھ

بکھرا رہی ہے عشق کو کیوں وسعتِ خلا
چھا جا تو ہمّات پہ کون و مکاں نہ دیکھ

اے ناتمام اپنے آپ کو پہچان لے ذرا
تو خود ہی آسمان ہے یہ آسماں نہ دیکھ

موج اور شفق

ہنگامِ صبح موج سے کہنے لگی شفق
سورج کی سرخ کرنوں سے تیرا سہاگ ہے
دریا کے اضطراب کو سمجھا ہے تو نے رقص
اپنی نوائے درد کو کہتی ہے راگ ہے
سورج سے دور رہ کے بھی نازاں ہی کس لیے
قسمت میں تیری ہجر ہے سینے میں آگ ہے
آغوشِ آفتاب کی زینت بنی ہوں میں
تیرے لیے بھی وجہہِ رقابت بنی ہوں میں

بولی یہ سن کے موج تو عالی مقام ہے
لیکن سحاب بن کے ابھرتا ہے کس کا آب
تیرا زوال ہوتا ہے خورشید کا عروج
خورشید کے عروج سے نکھرے مرا شباب
تو دستِ آفتاب میں پل بھر کا کھیل ہے
اور میرے انتظار کا حاصل ہے آفتاب
آئینہ بن گئی ہوں میں حسن و شباب کا
پڑتا ہے میری روح پہ عکس آفتاب کا

مشورے

میں سیر کو نکلا تو کہا دل نے سرِ راہ
وہ دیکھ فضا باغ کی ہے کتنی جنوں خیز
ہر گل کی گلابی میں ہیں بھیگے ہوئے رخسار
ہر نرگسِ مستانہ ہے اک چشمِ فسوں خیز

سُن بھی نہ سکا میں کہ انھیں لالہ و گل میں
گزرے ہوئے لمحات بھی معکوس نظر آئے
اور سوچتے ہی سوچتے چھائی یوں تھکن سی
افکار مرے ذہن میں محبوس نظر آئے

کیفیتِ گم شدگی ہوئی مجھ پہ یوں طاری
تھا ذوقِ نظر حاصلِ نظّارہ سے محروم
حُسنِ گل و لالہ میں کشش ہے کہ نہیں ہے
معلوم ہوا یہ کہ مجھے کچھ نہیں معلوم

جھنجھلا کے خرد بولی کہ دیوانے سنبھل جا
پیمانۂ گل سے یہ گلابی نہ چھلک جائے
اُڑ جائے نہ خوشبو کہیں جھونکوں سے ہوا کے
بارِ گل و غنچہ سے ہی ڈالی نہ لچک جائے

تلاشِ آبِ حیات

شکستِ بت کی ہر اک کہانی پرستشِ سومنات سے ہے
برہمنو آؤ رن میں چل کر حفاظتِ سومنات کر لیں

حیات خیرات ہی نہیں ہے حیات جہدِ حیات میں ہے
گزر کے وادیٔ مرگ سے آؤ آرزوئے حیات کر لیں

نسیمِ فصلِ بہار کی گفتگو بہت بے اثر رہی ہے
زبانِ طوفان و بادِ صرصر میں آؤ دشمن سے بات کر لیں

وطن کی وحدت ہو پھر سے قائم ثبوتِ حبِ وطن یہی ہے
لہو سے داغِ جبیں کو دھو کر دوئی سے حاصل نجات کر لیں

کتابِ تاریخِ نو کی خاطر ضرورتِ واقعاتِ نو ہے
اٹھاؤ تلوار تاکہ تکمیلِ حاجتِ واقعات کر لیں

اے تیز رو نوجوانو اٹھو سکون میں عافیت نہیں ہے
چلو کہ ظلماتِ جنگ میں ہی تلاشِ آبِ حیات کر لیں

●

انجامِ گلستاں

گل اپنی دس زبانوں سے بھی کچھ نہ کہہ سکا
نرگس بھی دیکھتی رہی آوارگیٔ بو
بلبل کی اک زبان نہ خاموش رہ سکی
سارے چمن میں گونج اٹھا شورِ گفتگو
ہر اک کو ہو گئی ہے خبر آ گئی بہار
خطرے میں پڑ گئی ہے گلابوں کی آبرو
آواز سن کے سوئے چمن چل پڑی خزاں
خود دشمنِ بہار ہوا عشقِ رنگ و بو
اس طرح تار تار ہوا دامنِ بہار
باقی رہی نہ جس کے لیے حاجتِ رفو
ہر ایک جامِ گل سے گلابی چھلک پڑی
ہر سو پڑے ہیں ٹوٹے ہوئے ساغر و سبو

تحریک

اڑے کھڑکھڑانے لگ گئے ہیں
واؤں کے تھپیڑے آ رہے ہیں
ئی طوفان دستک دے رہا ہے
روں میں آدمی سہمے پڑے ہیں

محبت ہے مگر نشچھل نہیں ہے
کنوارا ایک بھی آنچل نہیں ہے
اُمڈ آیا ہے کیچڑ شہر بھر کا
بھری گنگا میں گنگا جل نہیں ہے

اندھیرا گھپ، گہری خامشی ہے
فضا کی ہوک میں اک سنسنی ہے
کھڑک اُٹھتا ہے جب بھی کوئی پتّہ
تو لگتا ہے کہ دھرتی پھٹ رہی ہے

سیاہی تہہ بہ تہہ چھانے لگی ہے
فضا تا آسماں تھرّا رہی ہے
چراغوں کی لویں ہلنے لگی ہیں
اماوس خود ہی ٹونا پھونکتی ہے

عجب خطرہ سا حائل ہو گیا ہے
بہت خاموش بسمل ہو گیا ہے
سویرا ہو گا لیکن رات کتنا
ہمیں لگتا ہے مشکل ہو گیا ہے

یقین آتا نہیں اپنی خودی پر
پڑی پھٹکار کیا کیا زندگی پر
بشر خود اپنا دشمن ہو گیا ہے
مجھے حیرت ہے عزمِ خودکشی پر

اُجالا میرے زیرِ آستیں ہے
میرے ہاتھوں یہ اک مہرِ مبیں ہے
جنونِ زندگی بیدار ہو جا
لبوں پر میرے جامِ آتشیں ہے

اسی سورج سے اک شعلہ اُٹھے گا
اُٹھے گا کوئی دیوانہ اُٹھے گا
سمیٹوں گا میں اپنی آستیں جب
حیاتِ نو کا ہنگامہ اُٹھے گا

●

شرطِ وفا

طبع کی جدّت طرازی ناپسندیدہ سہی
عاشقِ ہرجائی آوارہ ہے آوارہ سہی
حُسنِ نسوانی تصور کا اک آئینہ سہی
عشق سے شرطِ وفا لیکن نہ مانی جائے گی

آرزو کا سلسلہ خود توڑ دوں ممکن نہیں
جتنے آئینے ہیں، سب کو چھوڑ دوں، ممکن نہیں
دامنِ فصلِ بہاراں چھوڑ دوں ممکن نہیں
عشق سے صحرا بہ صحرا خاک چھانی جائے گی

جان لو گے نازِ قیدِ فرد سے آزاد ہے
قیدِ عورت اور قیدِ مرد سے آزاد ہے
وقت کے ہر ایک گرم و سرد سے آزاد ہے
حُسن کی جب بھی حقیقت تم سے جانی جائے گی

گورو نانکؒ

تو ایکتا کا حامی، توحید کا پیمبر
ظاہر میں ایک قطرہ، باطن میں اک سمندر

تو ہی ظہورِ حق ہے اور حق تری نوا ہے
تو شبد ہے سراپا اور شبد ہی خدا ہے

دھرتی کا دیوتا ہے جسمِ کثیف تیرا
افشائے رازِ حق ہے حسنِ لطیف تیرا

تخلیق کے دریچے تو خود ہی کھولتا ہے
حق کی صدائے کن میں تو آپ بولتا ہے

تیرے خیال میں ہی وہ شبد گونجتا ہے
جس کے سرور پر خود سنگیت بھی فدا ہے

تو ست پرش انامی، نانکؒ ہے نام تیرا
ہر آسماں سے اونچا، اونچا مقام تیرا

ظلمت شکن ہے تیری آنکھوں کا ہر اشارا
ست لوک کا ہے درپن نانکؒ ترا نظارا

آوارہ ہو کے نکلا ہے مثل بو چمن سے
تسکین ناز کو دے اپنی چرن سرن سے

سلسلۂ تعمیر

یہ سُرخ لب، یہ تبسّم کی اُجلی اُجلی لکیر
کہ جیسے ٹوٹتے تارے کی لانبی سی تنویر
یہ سرخ سرخ دوپٹّہ، یہ جوت چھنتی ہوئی
خیال و خواب کی یہ بولتی ہوئی تصویر
یہ پائے شوق کی لغزش یہ تشنگیٔ مزاج
یہ پے بہ پے نئی تخلیق، یہ نئی تعمیر
انھیں حروف سے لکھّی گئی ہیں تقدیریں
نجوم و شمس و قمر میرے ہاتھ کی تحریر
جمال و حُسن، محبّت کے خواب ہیں لیکن
مرا عمل ہے محبّت کے خواب کی تعبیر
غرورِ حُسن سے لے کر خودیٔ عاشق تک
ٹھوکے دیتی ہے اک کائنات کی تعمیر

نورِ نار

آدمی کچھ بھی نہیں نور کے آگے تو کیا
نورِ خدا پر مگر ذرہ بھی ہے طعنہ زن

لالہ و گل بھی وہی، شمعِ شبستاں وہی
روشنی ہی روشنی حسن کی ہر انجمن

ناری سے نوری بنی خاک کی ہر تیرگی
آگ سے پیدا ہوا حُسنِ چمن در چمن

شیخ کا انجام کیا خاک تھے اور خاک ہیں
خاک کو روشن کرے مر کے بھی ہر برہمن

صدیوں سے پہنا لیے شیخ وہی اک قبا
ہیں تو نے نیا کر دیا پھاڑ کے ہر پیرہن

جنتِ یکرنگ میں ایک تجلّی فقط
جذبۂ صد رنگ سے پڑتا ہے جس پر گہن

اور جہنم میں ہیں ایسے کئی آفتاب
جن کی چمک سے حجل نور کی ہر اک کرن

جی ہو اگر بھر گیا شام تصور سے تو
نازؔ ذرا دیکھ لے صبح کا حُسنِ چمن

آؤ پھر اک نیا چراغ جلائیں

آؤ پھر اک نیا چراغ جلائیں
رات کی تیرگی ہے خوف زدہ
کتنا روشن ہے زندگی کا دیا
رشکِ صد آفتاب تاکہ بنے
آؤ کچھ اور تھوڑی لو اُکسائیں
آؤ پھر اک نیا چراغ جلائیں

کچھ تو ٹوٹا سکوتِ سرد اے دوست
تودۂ برف برق ریز ہے آج
کچھ تو چیخیں سنائی پڑنے لگیں
کچھ تو جاں دار ہے نوائے شوق
دامنِ زندگی پھر آؤ سئیں
خون تھوکو، اٹھو شراب پئیں
آؤ آغوشِ سرد پھر گرمائیں
آؤ پھر اک نیا چراغ جلائیں

کون بیمار ہے یہ سمجھو ذرا
اپنی بے چارگی کا ماتم کیا
درد کا اپنے جب نہیں چارا
چارہ گر ہی کا پھر علاج کریں
حُسنِ فن ہو نہ ہو ادھر آؤ
صاف لفظوں میں احتجاج کریں

چاند تاروں تک آؤ چھا جائیں
آؤ پھر اک نیا چراغ جلائیں

●

آپ

بانگِ مرغِ سحر نہ سمجھے آپ
عشق کو معتبر نہ سمجھے آپ
آپ ہیں آپ ہم سمجھتے ہیں
ہم بھی ہم ہیں مگر نہ سمجھے آپ
آپ نے دل کو دل نہیں جانا
اور نظر کو نظر نہ سمجھے آپ
زعمِ قامت میں اُٹھ کے جو نہ جھکے
ان سروں کو ہی سر نہ سمجھے آپ

●

غازیٔ گفتار

اس شہر میں کچھ لوگ ہیں لفظوں کے پرستار
بنتے ہیں مجاہد ہیں فقط غازیٔ گفتار

سنتے ہیں کہ ایسے بھی ہیں اس شہر کے یہ لوگ
دیوار کے ہر کان کی رکھتے ہیں جو پہچان

اس طرح چبا کر وہ اُگلتے ہیں ہر اک بات
بھر جاتے ہیں امرت کے مدھر رس سے ہر اک کان

کس بات سے کس کان کے پک جانے کا ہے خوف
کس کان کی کیا بات ہے اس کا ہے انھیں گیان

تیرے بھی وہ اپنے ترے دشمن کے بھی ہیں دوست
ان پر بھی مہربان ہیں اُن پر بھی مہربان

ہر طرح کی آواز کی یہ ضرب لگائیں
سمجھے ہیں ہر اک کان کو یہ منزلِ عرفان

اک کان میں کہتے ہیں کوئی گوڈسے ہو جائے
اک کان میں گاندھی کا فقط بھرتے ہیں بلیدان

ماؤ کے بھی فرزند ہیں، لینن کے بھی پوتے
سمتا کے اپاسک ہیں یہی باپو کی سنتان

قصیدہ

سنگِ جامد ہے اک لبِ دریا — گول پتھر ہے اک لڑھکتا ہوا

جم گئیں اک پہ گندگی کی تہیں — ڈھل کے اک ہو گیا ہے آئینا

اک تھکا ہارا ساکت و جامد — ایک گرمِ سفر ہے بے جادا

ایک ناآشنائے منزل ہے — ایک دریا کی تہہ میں جا اُترا

اک نے آلائشیں سمیٹی ہیں — مِل گیا اک کو گوہرِ یکتا

عاشقی مستقل مزاج نہیں — عشق کی ہر نگاہ آوارا

فکرِ انساں ہے انقلاب پسند — اور بدلتا نہیں کبھی بھی گدھا

بعدِ تخلیقِ آدمِ خاکی — حکم سجدہ فرشتوں کو بھی ہوا

روح اللہ جو تھی لاتقسیم — پیکرِ خاک کو ہوئی تھی عطا

میں بھی انسان ہوں سنو لوگو — میرا ایمان رک کے پھر چلنا

آسماں آسماں مری پرواز — میرے قدموں کے نیچے ہر دنیا

لالہ و گل نہیں میں خوشبو ہوں — میں چمن کی ہوں روحِ آوارا

پیکرِ خاک مائلِ پستی — عظمتِ رُوح کا ہے نام خدا

ماہ و خورشید میری آنکھیں ہیں — کہکشاں میرے ماتھے کا قشقا

کیوں گناہوں کو دیکھتے ہو مرے
میرے جوڑے سے ہے بندھی گنگا

میرا امروز دیکھنے والو
آنکھ ہے دیکھ لو مرا فردا

میرا یہ ہے عقیدۂ توحید
کوئی بندہ ہے اور نہ کوئی خدا

کون سجدہ کرے کسے آخر
میں ہی میں رہ گیا ہوں جب تنہا

نازؔ میں ہوں وہ صورتِ آواز
سب نے جس کو غزل غزل ڈھونڈا

ساری دنیا کو ہے تلاش مری
کون ہوں میں یہ کل بتاؤں گا

منزلِ نارسا میں آج بھی ہوں
اب بھی تنقیدِ فن ہے بے جادا

بات کہتا ہوں میں بزعمِ خودی
میری بے چین ہو رہی ہے انا

آج مجھ سا نہیں زمانے میں
آسماں آسماں ہے میری نوا

میں ہوں شاعر بلند فکر مری
ہاں قصیدہ ہی میں نہیں کہتا

آرزو کیا ہے کیوں بتاؤں میں
میں خودی اپنی کھو نہیں سکتا

آپ ہیں آپ صورتِ تصویر
عاشقی کا ہے اور کچھ رتبا

عشق آوارۂ عشق ہرجائی
جس پہ رکتا نہیں کوئی سایا

اپنی غدّاریوں کے ہوتے پر
قوم کے آپ بن گئے ہیں خدا

ہو گئے اسم بامسمّیٰ آپ
آپ کا روپ اسقدر نکھرا

ہے دعا پول آپ کی نہ کھلے
آپ کا رتبہ رات دن ہو سوا

عفو کا کیا حساب دیں گے آپ
مان کر میری بے حساب خطا

نخوتِ حسن اور ہی کچھ ہے
اور ہی کچھ ہے عاشقی کی انا

نازؔ صاحب کو آپ مت چھیڑیں
ناز ہوتا نہیں کبھی چھوٹا

مکتی باہنی

وطن کی راہ میں منزل سے لو لگائے ہوئے
بڑھے ہیں شیرِ وطن کے پرا جمائے ہوئے

گرج رہی ہے جوانی چلے ہیں دیوانے
نظر کو تولے ہوئے تیوریاں چڑھائے ہوئے

لہو کا ٹیکہ تلک ہے جبین کا جن کی
وطن کی خاک کا چندن ہیں جو لگائے ہوئے

چلے ہیں راہِ تمنائے سرفروشی میں
کمر کو باندھے ہوئے آستیں چڑھائے ہوئے

دلوں میں جوش، نظر میں غرور، لب پہ گرج
یہ عزم دیکھ کے دشمن ہیں تھرتھرائے ہوئے

نہ کوئی رہبر، نہ جادہ مگر اُٹھے تو بڑھے
قدم سے دوریٔ منزل کی گرد اڑائے ہوئے

تُلے ہوئے ہیں کہ میدان ماریں بڑھ کے
نہ رن سے جائیں گے دشمن کو بے ہرائے ہوئے

وہ توپیں گرجیں، گنوں سے وہ گولیاں برسیں
نڈر ہیں قوم کے لیکن قدم جمائے ہوئے

پٹی وہ تھاپ، بگل وہ بجا، وہ شور اٹھا
بڑھے جوان امنگوں سے تن تنائے ہوئے

یہیں فرشتوں نے سمجھا مقامِ مشتِ خاک
یہ جھک رہے ہیں بدن خون میں نہائے ہوئے

انھیں سے مکتی ملی، "مکتی باہنی" یہ ہیں
یہ اور بات ہے ہم ہیں قدم ملائے ہوئے

سپاہی کا جیوٹ

پربت کا تو پتھر بن کر آندھی کو سہہ جائے
پانی پانی ہو کر امبر طوفاں میں بہہ جائے
تیرا جیوٹ شو کی جٹا سے لائے گنگ کا دھارا
بھارت کا تو ویر سپاہی دیس کا تارن ہارا

رن کے طوفانوں سے لڑ کر بیڑا پار لگائے
خون کے دریا سے جل بھر کر ماں کی پیاس بجھائے

تیرا من ہے پریم کا ساگر، تیرا جیون لو کا
تیری بھجا کے بل سے ماں کا پار لگے گا بیڑا

تیرے من میں گھر کر جائے جیون کی ابھلاشا
رن کی گھٹا میں بجلی بن کر چمکے تیری آشا

تیری رگوں میں پگھلا لوہا، نین میں تیرے جوالا
رن کی دھوپ اور یدھ کی گرمی کا تو ہی ڈھالا

تیرے پتھر جیسے بدن سے جب گولی ٹکرائے
تیری چھاتی تن تن جائے تیرا من لہرائے

دیش کے میتھ پر مٹنے والی ہیرا تری جوانی
لاکھوں کو تو پار اتارے تو گنگا کا پانی

مارچنگ سانگ

سوئی ہوئی سپنوں کی دلہن کا چوم کے مکھڑا جگائے جا
پریت کی دُھن میں لڑنے والے پریت کے گیت سنائے جا
ذرّہ ذرّہ، مٹی مٹی، میداں میں لہرائے جا
دور نہیں ہے منزل ساتھی یوں ہی قدم بڑھائے جا
ساتھی قدم بڑھائے جا

پیار کی دیوی نے جب پکارا مدھوبن کے گنجاروں سے
بن کے کنہیا دوڑ پڑے ہم ممتا کی چمکاروں سے
یوون کی لی مستی ہم نے پھاگن کے تہواروں سے
راس کی بیلا جب جب آئے یوں ہی راس رچائے جا
ساتھی قدم بڑھائے جا

بُدّھ کی دیوی بلا رہی ہے پورب کے ویرانوں میں
میدانوں میں، ہلچل سی ہے جیتی کے انباروں میں
جیون کا ارمان ہے نچلا گیہوں جو کے دانوں میں
بھارت کے اے گرام تو اسی اپنا آلھا گائے جا
ساتھی قدم بڑھائے جا

سُن کیسا سنگیت ہے پیارے لوہے کی جھنکاروں کا
پورب پچھم ٹھنک اٹھا ہے پھر ماتھا پیکاروں کا
ہر سو اک سیلاب ہے اُمڈا تلواروں کی دھاروں کا
دشمن کا سر جانے نہ پائے دھاروں پر تیرائے جا
ساتھی قدم بڑھائے جا

خون ہے گارا ہڈی اینٹیں بننے دے دیوار وطن کی
گھاؤ کے پھول پہ خون کی شبنم لہکا دے یوں آگ چمن کی
سانسوں کی خوشبو سے بھر دے گلشن میں مہکار پون کی
ماں کے سپنوں کی بگیا میں تعبیریں اپجائے جا
ساتھی قدم بڑھائے جا

سپاہی کا آخری خط

سونی ہو گئی پریم کی نگری — کچھ بھی دکھ نہ کرنا
یدھ میں ماں کے میں کام آیا — تو نے پوت جنا
ٹوٹی ہوئی دیوار کو گھر کی — سنجی کچھ سے بنا

بھارت ماتا

(۱)

سراپا

کشمیر تیرے ماتھے کی بندی — کیلاش تیرے ماتھے کا ٹیکا
پیروں میں بھارت ناٹیم کے گھونگرو — ہونٹوں پہ تیرے ویدوں کا نغما
گنگ و جمن کا سینے پہ سنگم — آنچل کے نیچے الکا کا دھارا
یہ رنگا رنگی جسم حسیں کی — سر کا ڈوپٹہ قومی ترنگا
گوپی و رادھا من کی امنگیں — باہوں میں جھولا جھولے کنہیا
ساکار تیری ہی کلپنا ہیں — تیرا ایلورا، تیری اجنتا

چمکار تیرا سارا بدن ہے
صدیوں کی بوڑھی اب بھی دلھن ہے

(۲)

ہندوستانی رقص

عشوے بھی رقصاں غمزے بھی رقصاں — بہکے ہوئے سے آنکھوں کے آہو
لیتا ہو جیسے انگڑائی پھاگن — جیسے ہوا میں بہتی ہو خوشبو

رادھا کشن کی یہ مدرائیں   تعبیر و خواب ہیں پہلو بہ پہلو
رقصِ کتھک ہیں مچلے ہوئے انگ   پیروں میں بھارت ناٹیم کے گھونگرو
ناچے ہے دھرتی گائے گگن ہے
اک نرتیہ شالا سارا وطن ہے

(۳)

ساہتیہ

ڈوبی ہوئی ہے سنگیت رس میں   تلسی کی بھگتی، میرا کی کرونا
سنگار رس کی بھی موہنی ہے   رادھا کا برنن بھاشا کی کویتا
تحریک بھی ہے جیون مرن کی   تلوار بھی ہے نغمہ خطک کا
سارے جہاں کو پیغام بھی ہے   ہونٹوں پہ ماں کے ویدوں کا نغما
ٹیگور گائے "جن گن" یہاں پر   اقبالؔ چھیڑے "قومی ترانا"
یہ شاعری کا نورس چمن ہے
"شانتی نکیتن" سارا وطن ہے

(۴)

کلا

موتی کی مسجد سونے کا مندر   سکھوں کا سندر یہ گوردوارا

یہ شلپ کاری رامیشورم کی
کاشی میں تیرا مندر نرالا
جوبن کی تیرے پرچھائیوں نے
ڈھالی اجنتا ڈھالا ایلورا
تیری محبت تیرا تصوّر
ہے تاج درپن تیری کلا کا

اپنی کلا سے اب بھی دلھن ہے
تیری محبت چنتا ہرن ہے

(۵)

رشتۂ اتحاد

تھی سنسکرت کل ایکا کی ڈوری
ہندی ہے اب بھی بھاشا کا سنگم
دنیا کا سنگم تیرا تمدّن
محور پہ تیری رقصاں ہے عالم
آنچل کے نیچے ایکا کا دھارا
گنگ و جمن کا سینے پہ سنگم
ہمیلے اردو میں ڈوب کر بھی
کافر مسلماں ملتے ہیں باہم

تیرے چرن میں سب کی سرن ہے
پوجا میں تیری ہر اک مگن ہے

(۶)

حسن و عشق

بنگال تیری زلفوں کا جادو
کشمیر تیرے پھولوں کی مالا

پھاگن ہے تیری سانسوں کی خوشبو ساون ہے تیری زلفوں کی برکھا
مدھوبن کی شوبھا تیرا نمک ہے دھڑکن ہے تیری ہیر اور رانجھا
رقصِ کشش ہے تیرا ارادہ تیری امنگیں گوپی و رادھا
اک پیار تیرا کومل بدن ہے
رادھا بھی تو ہی تو ہی کشن ہے

(۷)

سیکولرازم

تو ہی دھرم ہے تو ہی کرم ہے مٹی ہے چندن تیری زمیں کی
مذہب ہمارا کچھ بھی نہیں ہے تسکین تو ہے قلبِ حزیں کی
اقرار تیرا اقرار ہی ہے قیمت بہت ہے تیری نہیں کی
سر کا ڈوپٹہ تیرے ترنگا یہ رنگا رنگی جسمِ حسیں کی
تیرے بدن کی سو سو پھبن ہے
تیری ہی لو سے ٹوٹا گہن ہے

اندھیارے سمٹنے والے ہیں

دریائے لہو میں چاروں طرف لاشوں کے جزیرے ابھرے ہیں
تلوار کی ان تحریروں میں انسان کے کیا کیا قصے ہیں
بنگال کی بکھری زلفوں کے سایے کی گھنی اندھیاری ہیں
شیطاں نے رجز خوانی کی ہے، انسان نے شبخوں مارے ہیں
جُگ جُگ کی پرانی دھرتی کی کوکھوں کو اُجاڑا توپوں نے
کھیتوں کی کنواری فصلوں کے ٹینکوں نے دوپٹے پھاڑے ہیں۔
ہر مانگ سے سیندر صاف ہوا، ہر آنکھ سے کاجل بہہ نکلا
وہ خون کا سیلاب آیا ہے، وہ اشک کے سوتے پھوٹے ہیں
اے نازؔ نہ ہو غمگیں بہت پھر عزمِ مشرق جاگا ہے
صبح ہوگی لہو کی چھینٹوں سے اندھیارے سمٹنے والے ہیں
وہ دیکھ جبینِ مشرق پر خورشیدِ سحر ہے ٹیکا سا
وہ دیکھ کہ اُجڑی فصلوں نے پھر سرخ دوپٹے اوڑھے ہیں
بنگال کے دھانی گھونگھٹ سے پھر عشق اشارے کرتا ہے
کھیتوں میں محبت اُبھی کہ ہے، مینڈوں پہ ترانے جاگے ہیں
وہ دیکھ کہ تانا شاہی نے جمہور کی ٹھوکر کھائی ہے
جو سنبھلے ہوئے تھے گرتے ہیں اور روندے ہوئے پھر سنبھلے ہیں

اٹھو!

خیال ہی میں سہی انقلاب تو آیا
کسی طرح بھی ہو آخر شباب تو آیا
اُٹھو برائے گلستاں خزاں سے لڑ جاؤ
زمین ہی سے سہی آسماں سے لڑ جاؤ
اُٹھو کہ جرأتِ گندم کا واسطہ تم کو
اُٹھو کہ ان مہہ و انجم کا واسطہ تم کو
تمھارے بختِ سیہ میں جو آج چمکے ہیں
حقِ حیات سے محروم ہو کے جینا کیا
اُٹھو نا سوکھے ہوئے جسم کے نگہبانو
گلاب رُخ کو نمک دو لہو کی چھینٹوں کا
نئی بہار کو آواز دو نا دیوانو
گلِ حیات کا چہرہ اتر گیا تو کیا
ابھی تو سانس سے بوئے بہار آتی ہے
نگاہِ نرگسِ بیمار کے اشاروں پر
امیدِ موسمِ گل جھوم جھوم جاتی ہے

اندھیری رات میں پرنورِ کہکشاں کی طرح
بتادو مانگ میں سیندر کی روشنی تم ہو
بتادو رُخ سے پلٹ کر نقاب تاریکی
عروسِ وقت کے چہرے کی چاندنی تم ہو
خزاں کے ہاتھ میں نبضِ بہار کیا معنی ؟
کفن سے زندہ بدن کا سنگار کیا معنی ؟
چمن کی آگ سے کھیلو، گلِ شرار چھوڑو
بڑھاؤ دستِ جنوں، دامنِ بہار چھوڑو
چھوڑو یہ جامِ محبت ہے آفتاب چھوڑو
ہوائیں تم ہیں اٹھو ساغرِ شراب چھوڑو
اُٹھو بکھیر دو ہر سو اُجالا جسموں کا
نگاہِ غیض کی تابانیاں دکھادو اٹھو
اُٹھو شباب کی جولانیاں دکھادو اٹھو
وطن کی لاج ہو تم، ترکِ نوجواں تم ہو
شفق ہو صبح کی اور نورِ کہکشاں تم ہو
تمھیں نے صبح کی انگڑائیاں سکھائیں تھیں
تمھیں نے شام کی لٹ کو کبھی سمیٹا تھا

تمہیں نے رات کی زلفیں کبھی سنواری تھیں
اٹھو، خلاؤں کے اُس پار دیکھتے کیا ہو؟
وطن کی مانگ میں پھر خوں کی کہکشاں رکھ دو
جبین پہ شوخ ستاروں کی بندیاں رکھ دو
وطن کے پاؤں تلے اوجِ آسماں رکھ دو
تم اپنے کھیت کے کھلیان کے محافظ ہو
وطن کی ماتا اور آن کے محافظ ہو
تمہیں پھر اک نیا انقلاب لانا ہے
وہ انقلاب جو کھیتوں میں سبزیاں بھر دے
وہ انقلاب جو تھالوں میں روٹیاں بھر دے
جو حوصلوں سے جوانوں کی چھاتیاں بھر دے
وطن کو خون پسینے کی پھر ضرورت ہے
تم اپنے فرض کی سیمائیں جان سکتے ہو
انھیں حدود میں اک انقلاب لاؤ نا
فضا میں گونج اٹھو کہکشاں پہ چھاؤ نا
نوا کی ضرب سے تاروں کو توڑ لاؤ نا
کہ ان ستاروں سے لکھی گئی ہیں تقدیریں
اٹھو اور اپنا بدل دو نوشتۂ تقدیر

ساقی نامہ

ترے خم میں جتنی ہے ساقی بہت ہے
پلا دے ابھی رات باقی بہت ہے

بلا دے اُسے جو نہیں آنے والا
بھگا دے اسے جو نہیں جانے والا

رگوں میں لہو کی روانی جگا دے
شرابوں میں طوفانِ دریا اٹھا دے

مجھے دامنِ موسمِ گل تھما کر
شرابِ کہن جامِ گل سے پلا کر

جنوں کو ذرا تیز رفتار کر دے
شرابِ جوانی سے سرشار کر دے

نئی نغمگی اور نیا ساز دے کر
پلا عمرِ رفتہ کو آواز دے کر

حسینوں کی دنیا میں چل ساقیا پھر
پلا بھر کے جامِ غزل ساقیا پھر

ادائے جنوں دلبرانہ بنا دے
حسینوں کا دل عاشقانہ بنا دے

عنادل کو خاموش رہنا سکھا کر
گلابوں کو شورِ عنادل عطا کر

نظر کے اشاروں کو فن دے غزل کا
حسینوں کو دیوانہ پن دے غزل کا

محبت کے ہاتھوں میں سازِ انا دے
برہمن کا بت کو پجاری بنا دے

غزلیات

ساقی تیرے جام کے شعلے
کر گئے روشن نام کے شعلے
مشعلِ رہ ہیں تاریکی میں
دستِ رند پہ جام کے شعلے
ایک نئی رچ لیں گے دنیا
انساں کے آلام کے شعلے
لمحہ کر گئے روشن
صبح کی اگنی، شام کے شعلے
پیاس کی میرے خیر ہو ساقی
تیز بہت ہیں جام کے شعلے
جل اُٹھے ہیں چاند ستارے
لہراتے ہیں نام کے شعلے
ڈھونڈ رہے ہیں وادیٔ فردا
نازؔ غمِ ایام کے شعلے

ابھی تک جانے کیوں احساسِ ستم و جور ہے ساقی
پلادے وہ کبھی جو شیشے میں تیرے اور ہے ساقی

خیالِ حور و غلماں، لذتِ توبہ، مئے کوثر
جنابِ شیخ کی ہر بات زیرِ غور ہے ساقی

نہ شاید تو پلا پائے، نہ شاید میں ہی پی پاؤں
ابھی باقی ہے میری پیاس ختم دور ہے ساقی

شبِ آخر ہے مجھ کو بیت دبھی اب آنے والی ہے
نجوم و ماہ کی گردش ذرا سی اور ہے ساقی

بہکنے پر مرا ان کو خیال آ ہی گیا آخر
شراب آئی ہے مجھ کو راس دے گر اور ہے ساقی

جنابِ نازؔ کو دیوانہ کہیے رند کہیے یا ولی کہیے
یہی اک بحث ہر محفل میں زیرِ غور ہے ساقی

تشنگی تیرے اشاروں پہ ہے رقصاں ساقی
کتنی پرکیف ہے یہ محفلِ رنداں ساقی

جام میں آتشِ سیّال سے ڈھلتی ہیں لویں
جب سیہ خانے میں ہوتا ہے چراغاں ساقی

ڈھل گیا جس کی ضیا پاشی سے سجدوں کا کلنک
ہے کفِ رند پہ وہ مہرِ درخشاں ساقی

استعارے، یہ کنائے، یہ اشارے، یہ نظر
مستیاں ہیں تری آنکھوں کی غزل خواں ساقی

اپنی ہی تشنہ لبی نے مجھے بخشا ہے سرور
کون آنکھوں کے اٹھائے تری احساں ساقی

جی میں آتا ہے کہ پھر کھیل لوں طوفانوں میں
میری مشکل ہی ہوئی ہے مجھے آساں ساقی

بات کچھ اور ہے بل جاتی ہے ہر چیز مجھے
آرزو ہے، نہ ارادہ ہے، نہ ارماں ساقی

جیسے اعجازِ یدِ بیضا کفِ ناز میں ہے

تجھے کیوں کر بتاؤں لذّتِ انکار اے ساقی
تو اپنی مست آنکھوں کا ہے خود بیمار اے ساقی

تری آنکھوں سے مے چھلکی ہمیشہ ہی تو کیا چھلکی
کہ اب بھی میکدے میں رند ہیں ہشیار اے ساقی

شکستِ شوق منزل بن گئی جس مے سے وہ مے کیا
مری تشنہ لبی ہے برسرِ پیکار اے ساقی

فقط ان اودے اودے بادلوں پر ہوش کیا کھوؤں
ابھی موسم کے ہیں کچھ اور بھی تہوار اے ساقی

خلوصِ مستیٔ چشمِ حسیں ہے کس کے پرتو سے
تری چتون میں کس نے بھر دیا ہے پیار اے ساقی

زمانے میں نہ جانے اور بھی بیمار کتنے ہیں
مجھی سے ان دنوں کیوں ہے ترا اصرار ساقی

مرے پینے سے واعظ کو فقط مجھ سے شکایت تھی
مری توبہ سے ہر محفل میں ہے تکرار اے ساقی

ہوئی جاتی ہے ترکِ مے کشی بد نام دنیا میں
نہ جانے کیا گنہ ہے ناز کا ایثار اے ساقی

مئے خودی کا تھا وہ کیف شغلِ جام کے بعد
کوئی بھی نام نہ یاد آیا اپنے نام کے بعد
اسی سرور کے عالم میں مل گیا وہ مقام
خدا خودی میں نظر آیا جس مقام کے بعد

دیکھتے کیا ہو یہ ہے جامِ شراب
دستِ شاعر میں ہے قدحِ آفتاب
میری ہر اک فکر پیغامِ سحر
ہر صدا میری صدائے انقلاب
وقت کی ہر اک تگ و دو مجھ سے ہے
میری رگ رگ میں ہے گرمیٔ شباب
کائناتِ شوق کچھ ذرّے نہیں
میری زد پر ہیں نجوم و ماہتاب

کوئی دامانِ فصلِ گل نہیں ہے
مرے ہاتھوں پہ جامِ آتشیں ہے
ہر اک قطرے میں رنگِ شوخیٔ گل
ہر اک گھونٹ اس کا وحشت آفریں ہے
اُتر آیا ہے مہتاب آئینے میں
جنونِ شوق لا حاصل نہیں ہے
جسے کل آسماں سمجھا تھا میں نے
مرے قدموں کے نیچے کی زمیں ہے
چراغِ طور بھی جس سے ہو روشن
وہ دستِ ناز پر مہرِ مبیں ہے

●

حاصلِ حسنِ خواب ڈھالوں گا
پھر خودی کی شراب ڈھالونگا

کون ہوں میں یہ کل بتاؤں گا
صبح جب آفتاب ڈھالونگا

اس گذرتی ہوئی خزاں کے بعد
پھر نیا میں شباب ڈھالونگا

دیکھوں کتنا ہے حوصلہ ساقی
آج میں بے حساب ڈھالونگا

شعر میں کھینچ کر تری تصویر
حسن کا میں جواب ڈھالونگا

توڑ کر کہکشانِ تاک کے نجم
اک نیا آفتاب ڈھالونگا

زینتِ بتکدہ بڑھا دے جو
وہ بتِ حسنِ خواب ڈھالونگا

صبح ہونے دو ساغرِ گل میں
نازؔ صاحب شراب ڈھالونگا

●

نور چھلکائے ہے ایاغِ صبح
کیوں بجھاتے نہیں چراغِ صبح

ذرہ ذرہ ہے شمعِ کسبِ ضیا
آسماں آسماں دماغِ صبح

ہو گئیں تیرگی کی پار حدیں
عشق نے پا لیا سراغِ صبح

کل یہی رات تھی تلاشِ سحر
اب یہی رات ہے فراغِ صبح

کھل گئے روشنی کے سرخ گلاب
مہکا مہکا ہے آج باغِ صبح

نور کا راستہ ملے نہ ملے
آج ملتا نہیں دماغِ صبح

تاکہ بڑھ جائے گرمیٔ رفتار
نازؔ چھلکا دیئے ایاغِ صبح

●

وقتِ شغلِ جام ہے زاہد ذکرِ کوثر چھوڑ
جس کی موج ہے گنگا جمنا وہ ساغر مت توڑ

دستِ شام میں لمحہ بھر ہے یہ قدحِ خورشید
آنکھ جب اس سے روشن ہوگی رات سے لیں گے ہوڑ

پگ پگ پر ہیں بکھرے بھلاوے منزل کوسوں دور
چلتی پھرتی راہ میں بھی ہیں تاریکی کے موڑ

ایک نے سب کچھ اپنا گنوا کے پایا ہے سنتوش
ایک نے سب کچھ اپنا گنوایا پائی پائی جوڑ

شاہی اور فقیری میں ہے صرف اتنا ہی فرق
ایک کا بیری کوئی نہیں ہے ایک کی سب سے ہوڑ

اپنی خودی پر کیا گزری ہے لے کر جگ کا موہ
کوئی سہارا کام نہ آیا خود کو دیا جب چھوڑ

ناز ہے جس کے عکس سے مشکل اپنی ہی پہچان
وہ آئینۂ شوق ہے جھوٹا، وہ آئینہ پھوڑ

تلاش تسکینِ قلب اکثر بہ رنگِ جہدِ شباب بھی ہے
گھٹی گھٹی سی مری نوا و دل میں سوزشِ انقلاب بھی ہے

میں ایک قطرہ ہوں اپنی وسعت میں جو ہے دریائے بیکراں بھی
نہ ذرّۂ سرد بھی ہوں جس میں تمازتِ آفتاب بھی ہے

یہ کفر و ایماں کی بحث کیسی جو راز افشا ہوا وہ یہ ہے
وجودِ انساں گناہ بھی ہے وجودِ انساں ثواب بھی ہے

نہ اختیاری کرم ہی کوئی نہ اختیاری عتاب کوئی
اُسی نظر میں پیام بھی ہے، اسی نظر میں عتاب بھی ہے

جمالِ تسکینِ قلب گر ہے، جلال سے ہے نگاہ خیرہ
تمازتِ رُخ ہے مہرِ تاباں، صباحتِ رخ گلاب بھی ہے

حرام آبِ حیات بھی ہے نہ پینا آئے اگر کسی کو
سلیقۂ میکشی اگر ہے، حلال جامِ شراب بھی ہے

کبھی یہ عالم، کبھی وہ عالم عجیب عالم ہے نازؔ صاحب
یہی ہے جنّت، یہی ہے دوزخ، یہی جہانِ خراب بھی ہے

ہر اک بزم پر چھا گئے ساز بن کر — جیسے عمرِ رفتہ کی آواز بن کر
ہمیں نے کہا تم ہو پیدا ہوئے ہم — ہمیں چھا گئے اپنا اعجاز بن کر
ہمیں سینۂ وقت میں راز بھی تھے — ہمیں کھل گئے آج آواز بن کر
ہمیں حسن بھی ہیں، ہمیں عاشقی بھی — ہمیں راز داں ہو گئے راز بن کر
ہمیں انجمن انجمن آشکارا
کبھی عشق ہو کر کبھی نازؔ بن کر

غرورِ زندگی بے جا نہیں ہے — خودی احساس کا دھوکا نہیں ہے
میں جس توحید کا قائل ہوں اس میں — خدا تو ہے مگر بندا نہیں ہے
سرِ تسلیم جس جا خم ہوا ہے — مقامِ آگہی میرا نہیں ہے
خودی خودداریٔ روحِ بشر ہے — خودی پابندیٔ سجدا نہیں ہے
ہر اک خواہش ہے تکمیلِ دنیا — تجسّس چاہیے کیا کیا نہیں ہے
میرا ایمان اتنا ہے کہ میں ہوں — زیادہ میں نے کچھ جانا نہیں ہے
نہ ہی پابند ہے دیر و حرم کا — کہ جس نے خود کو پہچانا نہیں ہے
میں وہ سرِّ نہاں ہوں نازؔ صاحب
جو ظاہر ہو گئے بھی افشا نہیں ہے

ٹھہرو کہ میں اعجازِ انا دیکھ رہا ہوں
اک ذرّے میں کل ارض و سما دیکھ رہا ہوں

گم وسعتِ کونین ہوئی میری خودی میں
قطرے کو بھی دریا سے بڑا دیکھ رہا ہوں

جی کہتا ہے ساغر کو لپک کر میں اٹھا لوں
ساقی کی مگر شانِ عطا دیکھ رہا ہوں

ہر بات مری آیتِ قرآن ہوئی ہے
ہر شعر میں فرمانِ خدا دیکھ رہا ہوں

ہر بت میں نظر آتے ہیں اپنے ہی خد و خال
آئینے میں اپنی ہی ادا دیکھ رہا ہوں

نظّارۂ گلشن ہے بہت ہوش ربا کیوں
معکوس گل و لالہ میں کیا دیکھ رہا ہوں

ہر حسن میں جھلکے ہے مرے عکسِ انا ناز
ہر آنکھ میں اپنا ہی نشا دیکھ رہا ہوں

راہِ جنوں ہے اور رہِ کہکشاں نہ دیکھ
منزل یہی زمیں ہے سوئے آسماں نہ دیکھ
دامن تو کر وسیع، بلند حوصلہ تو رکھ
سود و زیاں میں حاصلِ سود و زیاں نہ دیکھ
تو خود ہی اک جہاں ہے خود کو تلاش کر
سارا جہاں فریب ہے سارا جہاں نہ دیکھ
قطرہ بھی اک حقیقتِ امروز ہے ندیم
صدیوں کے غم میں ساحلِ بحرِ زماں نہ دیکھ
جھکتی نہیں زمین پہ پیشانیٔ انا
اے حسرتِ فروغ در و آستاں نہ دیکھ
اے تشنگیٔ شوق زمیں اور ڈھونڈ لے
یہ آسماں سراب ہے یہ آسماں نہ دیکھ
بھر مار رہی ہے عشق کو پھر وسعتِ خلا
چھا جا تو تہمات پہ کون و مکاں نہ دیکھ
شعلہ فشاں ہے ذرّۂ فانی کا ارتقا
روشن غبارِ پا ہے سوئے کہکشاں نہ دیکھ
اے نازؔ اپنے آپ کو پہچان لے ذرا
تو خود ہی آسمان ہے یہ آسماں نہ دیکھ

○

جھکا دے سر جو اُس کو صاحبِ قامت نہیں کہتے
خودی دے کر جو ملتی ہے اُسے عزت نہیں کہتے

خلافِ فطرتِ عالم ہے قدرِ زندگی اپنی
جو فطرت کے مطابق ہے اُسے فطرت نہیں کہتے

خلوصِ دوست پر یہ بدگمانی بھی نہیں اچھی
محبّت میں جفائے دوست کو نفرت نہیں کہتے

مزاجِ آدمی کی یہ بھی کیا ایذا پسندی ہے
کہ ہم عشرت کدوں کے عیش کو عشرت نہیں کہتے

وہ خلوت پھر بھی خلوت ہے جہاں تیرا تصوّر ہے
خیالِ غیر آنے پر اُسے خلوت نہیں کہتے

گھٹا یوں ٹوٹ کر برسے کہ میخانہ بھی بہہ جائے
تری اس شدّتِ رحمت کو ہم رحمت نہیں کہتے

اگر جنّت صلائے ہمتِ مرداں نہیں زاہد
غلاموں کی کسی جنّت کو ہم جنت نہیں کہتے

جنابِ نازؔ رسمِ شاعری میں احترامًا بھی
جسے معشوق کہتے ہیں اُسے عورت نہیں کہتے

لے کر چلا ہے عشق کدھر راستا بغیر　　منزل پہ آرہی ہے خودی رہنما بغیر

بت کے بغیر شیخ خدا کو نہ پا سکے　　کافر سمجھ سکا نہ صنم کو خدا بغیر

جو بھیک میں ملے وہ جہنم ہے عرشِ پاک　　پستی بلند ہے جو ملے التجا بغیر

ایمانِ عاشقی کا صلہ مجھ کو مل گیا　　حل مشکلِ حیات ہے مشکل کشا بغیر

کس کا پیام کون پیامی، پیام کیا　　سب سن لیا ہے میں نے رسولِ خدا بغیر

مانگے بغیر نازؔ ملا دردِ زندگی
اب اور کیا ہے ملنے کو باقی دعا بغیر

ہر ایک سے ناکامی کا چرچا نہیں کرتے　　حسرت سے سوئے چرخ بھی دیکھا نہیں کرتے

گرتی ہوئی دیوار کو بالکل ہی گرا دو　　جو بن نہ سکے اس کو بنایا نہیں کرتے

تخریب کے سینے میں ہے تعمیر کی بنیاد　　تعمیرِ شکستہ پہ بھروسا نہیں کرتے

گر جائے اگر گھر تو نیا گھر ہو تعمیر　　گھر پھونک کے ہم کوئی تماشا نہیں کرتے

ہر شاخِ گلستاں کو ضرورت ہے قلم کی　　بے پھول کی ڈالی پہ بھروسا نہیں کرتے

اے نازؔ بتا دے ہے زمانے کی ہوا کیا
گذرے ہوئے طوفان پہ ڈوڑا نہیں کرتے

○

پیشانیِٔ احرار پہ سجدوں کے نشانات
توہینِ خودی ہیں یہ غلامی کے علامات
احرار کی نظروں میں نہ ادنیٰ ہیں نہ اعلیٰ
پابندِ غلامی ہیں سبھی جاہ و خطابات
سنگِ درِ جاناں ہو کہ سنگِ درِ کعبہ
سجدوں کی ہیں تعمیریں غلامی کے مقامات
احرار ہیں احرار نہ ساجد ہیں نہ مسجود
تضحیکِ خودی بندہ و خالق کی روایات
پیغامِ عمل دیتی ہے یہ وسعتِ کونین
بکتے ہیں مگر شیخ جی ہر وقت خرافات
انساں ہے ابھی قائلِ پابندیٔ سجدہ
شاید نہ پسند آئے زمانے کو مری بات
رک جاتے ہیں کچھ دور جو چل کر پئے تسکین
اے نازِ ان انسانوں سے بہتر ہیں نباتات

○

کیا بات ہے ہر وقت پھڑکتی ہے رگِ تاک
ٹوٹا ہوا تارہ بھی ہے خورشیدِ غضب ناک

کیا چیز محبت ہے محبت کی خودی کیا
احرار کے سینوں میں ہے وہ جذبۂ بے باک

جس مرد کو آزادئ فطرت ہے میسّر
اُس مرد پہ لازم نہیں پابندئ افلاک

جس شخص کی تلوار محافظ ہے خودی کی
وہ صاحبِ دل ہے نہ کبھی صاحبِ ادراک

جن آنکھوں کے آنسو میں نہ دیکھے ہوں شرارے
اُن آنکھوں کے ہر خواب کی تعبیر ہے غم ناک

جس شخص کے ہاتھوں میں اخوّت کا علم ہے
اُس شخص کے سینے کی محبت بھی ہے بیباک

جو جذبۂ بیدار محبت سے ہو خالی
وہ جذبۂ منصور بھی ہے جذبۂ ناپاک

جس خاک میں مستور ہیں طوفان و تلاطم
آکاش کی پیشانی کا صندل ہے وہی خاک

اُس خاک سے ہی ہوتی ہے احرار کی تخلیق
اور کاہکشاں چرخ پہ بنتی ہے وہی خاک

پی جاتے ہیں دیوانے جسے زعمِ خودی میں
وہ زہر بھی اسے ناز ہے تاثیر میں تریاک

جہاں تک اس فضا کی تیرگی ہے
نظر محوِ تلاشِ روشنی ہے
بشر کی بندگی سے زندگی موت
خودی رازِ بقائے زندگی ہے
جبیں محوِ تلاشِ دیر و کعبہ
بشر اب بھی رہینِ بندگی ہے
مقامِ بندگی گو کیف و مستی
سرورِ بندگی مرگِ خودی ہے
ہر اک سجدہ فراموشی خودی کی
خدا لیکن خودی کی آگہی ہے
ہیں ناداں خوش بہت ختمِ سفر پر
یہ منزل ہی مقامِ گمرہی ہے
ہمیں پر ختم یہ دنیا نہیں ہے
ہمارے بعد بھی پیغمبری ہے
کئی گرہیں ہیں زلفِ زندگی میں
حیاتِ آدمی اُلجھی ہوئی ہے
جو کھل جائے وہ رازِ حسن ہی تا نو
جو پنہاں ہے وہ رازِ عاشقی ہے

سموئے خود میں اک دنیا رہے ہیں
بھری دنیا میں ہم تنہا رہے ہیں
جو سمٹے ہیں تو ایک قطرہ رہے ہم
جو بکھرے ہیں تو ایک دریا رہے ہیں
ہمیں سے بحثِ کفر و دیں چھڑی ہے
خدا ہو کر بھی ہم بندا رہے ہیں
ہماری ہی انا فرعون میں تھی
ہمیں منصور کا دعوئی رہے ہیں
شہود و غیب کی ہر بحث میں ہم
کبھی پنہاں، کبھی افشا رہے ہیں
فسانہ بن گیا جس سے حقیقت
ہمیں وہ روحِ افسانہ رہے ہیں
بہت سادہ تھی تحریرِ مقدر
ستارے بھی کرم فرما رہے ہیں
عدم سے سوئے ہستی آ گئے تھے
خودی سے پھر بھی بیگانہ رہے ہیں
ہمیں سے نازِ حسن و زندگی ہے
ہمیں آئینہ آسا رہے ہیں

خودی ہو گئی گم خیالِ خودی میں
بھٹکتے ہیں ہم اپنی ہی آگہی میں

خرد نے جلائے ہیں قندیل کیا کیا
اندھیرا مگر ہے ہر اک روشنی میں

خودی میں جھلکتا تھا کچھ نور جیسا
نظر کچھ نہ آیا ہمیں بے خودی میں

خدا ہے وہ ایجادِ اوّل بشر کی
خلل پڑ گیا جس سے ہر آگہی میں

فریبِ نگاہ و خرد کھا گئے ہم
بھٹکتے رہے ہم نفی ہی نفی میں

جسے پی کے پیہم بجھاتے رہے ہیں
وہی پیاس باقی ہے آسودگی میں

معمّہ یہ حل کر گئی موت آکر
نہ تھی اور نہ ہے زندگی زندگی میں

ہر آئینے میں پڑ گیا بال آخر
نظر آیا کچھ جھوٹ ساراستی میں

بہت سیدھی سادی رہِ گمرہی تھی
بھٹکتے ہیں دانا کی ہم رہبری میں
وہی گمرہی کاش پھر ہم کو ملتی
ہمیں ہم مسافر تھے جس گمرہی میں
طلسمات پر ہیں طلسمات اے دل
وہی کھو گیا جو ملا آگہی میں
اُسی میں پھر آؤ حلِ زیست ڈھونڈیں
چلا بس نہ کچھ نازؔ جس بے بسی میں

○

کفر کا دامن ہے تر، دامنِ دیں تار تار
کفر بھی بے اختیار، دین بھی بے اختیار
حاصلِ روزہ نماز وعدۂ جنت سہی
سلسلۂ روز و شب کفر سے ہے پائدار
فکرِ مسلماں فقط لا الٰہ الا اللہ
فکرِ برہمن سے ہے نظمِ جہاں برقرار
دیکھا بھی تو نے کبھی پرتوِ تخلیق کو
خون ہے لالہ کا دل سینہ ہے گُل کا فگار

موت کے نتھنے کھلے بادِ خزاں بہہ چلی
زیست کی اک سانس سے آئی جو بوئے بہار
یہ بھی کوئی کھیل ہے قہرِ خدا کی قسم
مرگ سے گنجشک کی شاہیں نے پایا وقار

○

اُٹھائے نُور کی خاطر جو منتِ خورشید
وہ ذرّہ سوز سے اپنے سنور نہیں سکتا
وجودِ حق سے میں منکر ہوں ایسی بات نہیں
خودی کی موت میں برداشت کر نہیں سکتا
فنا کی منزلِ نادیدہ عینِ ہستی ہے
غمِ حیات سے انسان مر نہیں سکتا
نجوم و شمس و قمر میں یہ بات آج چلی
وہ بات کیا ہے جو انسان کر نہیں سکتا
بتا دو ناز کہ ہر ذرّہ چرخ پیما ہے
فلک کبھی بھی زمیں تک اتر نہیں سکتا

○

○

خموشی کا سماں باندھے ہوئے کچھ ساز جیسا ہے
سکوتِ شب بھی اک گونجی ہوئی آواز جیسا ہے

یہ سناٹا ہے یا تمہیدِ صبحِ حشر ہے یارو
ستاروں کی بھی گپ چپ بات میں کچھ راز جیسا ہے

زمیں پھٹ جائے ٹوٹے آسماں، تارے بکھر جائیں
مگر ایسے میں جی لینا بھی اک اعجاز جیسا ہے

تلاشِ عاشقاں میں آج وہ بن ٹھن کے نکلے ہیں
مگر رفتار میں کچھ حشر کا انداز جیسا ہے

شہادت کا کوئی معیار قائم ہو تو کیسے ہو
ہر اک تحریک کا انجام یاں، آغاز جیسا ہے

جسے دیکھو وہی مرعوب ہے تیری نگاہوں سے
تیری آنکھوں کا جادو آج کل اعجاز جیسا ہے

فلک پر اڑنے والو لوٹ آؤ، جھانک کر دیکھو
زمیں کی تہہ میں بھی کچھ حاصلِ پرواز جیسا ہے

کسی کے ساتھ مجھ کو دیکھ کر وہ غیر سے پیلے
ذرا پوچھو یہ آخر کون ہے جو ناز جیسا ہے

○

فرش سے تا عرش سب کچھ ہے مرا دیکھا ہوا
فہم سے باہر تھا جو کچھ ہے وہ اب سمجھا ہوا

اے حدیثِ شوق تو مظہر ہے کس آواز کا
تھا کہیں کچھ بھی نہیں میرا ترا پیدا ہوا

کیا سے کیا عکسِ انا آئینہ بنا
بات کس کس کی چلی جب جب مرا چرچا ہوا

حاصلِ رہ کفر و دیں کے سیکڑوں اندیشہ ہائے
جس طرف جتنا بڑھا جو وہ رہا بھٹکا ہوا

بت پرستی برہمن کی رسم ہو کر رہ گئی
مولوی کا ذہن ہے اسلام میں الجھا ہوا

رہ گئے دونوں بھٹک کر حق کی سیدھی راہ سے
چل پڑے دیکھا جدھر بھی راستہ چلتا ہوا

عشقِ حق منزل سہی ہے راستہ عشقِ مجاز
دور منزل سے رہا وہ جو بھی بے جادہ ہوا

بتکدے میں بھی یہ فیض و برکتِ عشقِ بتاں
جس طرف اٹھیں نگاہیں سامنے کعبا ہوا

نازِ جبیں پر کھنچ گئے ہیں آرزوؤں کے خطوط
جلوۂ حق اس طرح پر نور کا جلوا ہوا

○

یہ خواب خواب نہیں جہد ہے سحر کے لیے
تلاشِ فردا ہے یہ دعوتِ نظر کے لیے

تکان ہی ہے مسافر نواز دم لے لو
ذرا سی چھاؤں بہت کچھ ہے رات بھر کے لیے

چمن میں نرگسِ بیمار خون روتی ہے
پڑی ہے اوس ہر اک گل پہ دیدہ ور کے لیے

قفس سے چھُٹ کے دکھا دیں گے حوصلہ اپنا
ابھی تو جہدِ محبت ہے بال و پر کے لیے

تلاش ہوش و خرد کو ہے ہم سفر کی ابھی
جنوں ہے گرمِ سفر منزلِ سفر کے لیے

اُسی نظر سے میں دادِ جنوں کا طالب ہوں
مرا جنون تماشہ ہے جس نظر کے لیے

وہ اور ہوں گے جنھیں ہست و بود کا غم ہے
ہیں ہست و بود تماشے مری نظر کے لیے

بہار پرتوِ دل اور چمن اک آئینہ
دل و نظر ہیں نظارے دل و نظر کے لیے

شرابِ دید چھلکتی ہے ساغرِ گُل سے
بہار آئی ہے سیرابیٔ نظر کے لیۓ

جو کم ہوا نہ کسی طرح بزمِ خوباں میں
وہ اضطراب تھا خوبانِ خوب تر کے لیے

کچھ اور ضیفِ سخن ہو تو اپنی بات کہوں
غزل ہے پستیٔ ہمت دل و جگر کے لیے

مقامِ سجدہ نہ کعبہ مرا نہ بُت خانہ
خود آستانِ خودی ہوں میں اپنے سر کے لیے

ہوس نے نازؔ تماشہ بنا دیا ورنہ
مرا جنوں نہیں تھا اِدھر اُدھر کے لیے

○

نوائے شوق سے نورِ جلال پیدا کر
خیال ہی سے اِک حدِّ خیال پیدا کر

جو ڈھونڈتا ہے وہی خدّ و خال پیدا کر
ہلاکِ جلوہ نہ ہو خود جمال پیدا کر

رہے نہ عشق کسی در کا سائلِ مجبور
جنونِ شوق سے کیفِ وصال پیدا کر

چمن میں گریۂ شبنم کا راز کچھ بھی ہو
گلوں کا خندۂ رنگیں جمال پیدا کر

تری تلاش میں خود ہے بلند اقبالی
عمل سے نازؔ خود اپنے کمال پیدا کر

○

یہ ابر دھنک اور یہ گھٹا دیکھئے کیا ہو
منظر ہے بہت ہوش ربا دیکھئے کیا ہو

ایسے میں ہر اک سمت چھما چھم ہے یہ کیسی
پاہن ہوئی ساون کی فضا دیکھئے کیا ہو

انکار سے ہر طرح مری آن بڑھی ہے
بے ظرفوں نے چلّو سے پیا دیکھئے کیا ہو

اُس سمت بتوں کو بھی خدائی کا ہے دعویٰ
اِس سمت محبت کی انا دیکھئے کیا ہو

عشق ایک طرف مظہرِ اعجاز ہوا ہے
اک سمت ترا سحر چلا دیکھئے کیا ہو

یہ بجھتے ہوئے دیپ کی لو یہ افقِ شام
ساغر میں ہے سورج کی ضیا دیکھئے کیا ہو

اس رُت میں تقاضائے وفا اور ہی کچھ ہے
ہاں حسن کی تشریحِ وفا دیکھئے کیا ہو

گم وسعتِ کونین ہوئی میری انا میں
قطرے نے سمندر کو پیا دیکھئے کیا ہو

ہر بات مری آیتِ قرآن ہوئی ہے
ہر شعر ہے فرمانِ خدا دیکھئے کیا ہو

آنکھوں سے پلا کر مجھے مدہوش کیا اب
آگے مرے ساقی کی عطا دیکھئے کیا ہو

صف بستہ ہیں صحرا میں ہر اک راہ پہ کانٹے
آتا ہے کوئی برہنہ پا دیکھئے کیا ہو

کس کس کے تقدس کا بھرم رہتا ہے باقی
پردہ رُخِ جاناں سے اُٹھا دیکھئے کیا ہو

ہر برقِ تجلّی ہے یہاں جلوۂ سینا
ہر چہرہ ہے قرآنِ خدا دیکھئے کیا ہو

اے نازؔ خموشیٔ فضا میں بھی ہے اک شور
اب دل کے دھڑکنے کی صدا دیکھئے کیا ہو

○

بنتِ انگور کی جب پور چٹک جاتی ہے
کوئی پہچانی سی آواز کھنک جاتی ہے
پیکرِ نور سے سنگیت کی اٹھتی ہے لپٹ
حدِّ تخییل پہ اک جوت چمک جاتی ہے

شوخ و مخمور نگاہوں کے ٹہوکے یہ تھپک
پیکرِ عشق کی شہ رگ بھی پھڑک جاتی ہے
بُدبُدے اُٹھتے ہیں سنگیت کی پڑتی ہے پھوار
عشق کے لب پہ اک آواز تھرک جاتی ہے
گونجنے لگتی ہے کانوں میں بہاروں کی صدا
مستیِ مے سے ہر اک سانس مہک جاتی ہے

نغمہ و نور کی لہروں پہ تھرکتا ہے جمال
مادھوری جام کی جس وقت چھلک جاتی ہے
ایک ہی گھونٹ میں کھلتا ہے تصوّف کا بھرم
ایک بجلی سی خلاؤں میں کمک جاتی ہے
زندگی ڈوب گئی رس میں سہاگن بن کر
چوڑی چوڑی حسین ہاتھوں کی چھنک جاتی ہے

بیخودی بن گئی معراجِ محبت اے نازؔ
کس کی آہٹ پہ خودی میری بہک جاتی ہے

○

○

سدا بہار جوانی سدا سہاگ ہوں میں
نہاؤ رنگ میں پھولو نہاؤ پھاگ ہوں میں
نوائے شوق سے میری ہے تیرگی روشن
عروسِ صبحِ وطن کا حسیں سہاگ ہوں میں
میں ایک سوچی ہوئی لے کا لحنِ داؤدی
زبانِ غنچہ کا اک ان سنا سا راگ ہوں میں
مرے ہی جام کی چھینٹوں سے رونقِ ہستی
بہارِ لالہ و گل کی حسین آگ ہوں میں
مری نواؤں کی ہے روشنی فلک پہ فلک
جلادے دیپ ستاروں کے جو وہ راگ ہوں میں
صدائے تیرگیِ شب کی تھرتھراہٹ میں
لبِ خموش کا گایا ہوا بہاگ ہوں میں
تمام بارِ الم میں اٹھائے پھرتا ہوں
زمین جس پہ رکی ہے وہ شیش ناگ ہوں میں
تمام حسنِ دو عالم ہے نازِ عکس مرا

میری روش جو تھی وہ ہے آگئے ہیں انقلاب
پیری بھی مستیٔ شباب، توبہ بھی مستیٔ شراب

منزلِ ارتقائے شوق دیکھئے ملتی ہے کہاں
جلوۂ حسن بے شمار، حسرتِ دید بے حساب

پرتوِ شیشۂ وجود کھول گیا ہر اک بھرم
عشق نمودِ بے حجاب، حسن وجودِ بے نقاب

ایسے میں بھی پیئے نہ جو لعنت ہے اُس کے زہد پر
بکھری پڑی ہے روشنی، چھلکا پڑے ہے آفتاب

جلوؤں کی انجمن ہے یہ سب پہ نگاہ ڈالئے
وحدتِ عشق کے لیے فرض نہیں ہے انتخاب

کانپ کے تیرگیٔ شب میری صدا سے رہ گئی
میری نوا سے ہو گئے روشن نجوم و ماہتاب

رقص میں ساری کائنات، وجد میں سات آسمان
نازِ صدائے کن میں ہے میری نوا کا اضطراب

طلوعِ مہتاب ہے یہ کیسا مری نگاہوں کے آسماں پر
یہ کس تبسّم کا ہے اجالا مرے خیالوں کی کہکشاں پر

یہ پرتوِ نورِ حُسنِ رنگیں ہے کیا آنکھوں کے آئینوں میں
نہ جانے وہم و گماں ہیں کیا کیا مجھے خود اپنے حسیں گماں پر

یہ کس کے پیروں کی آہٹوں کی جھنک سے پھوٹی ہیں سرخ کرنیں
یہ برقِ سیّاں کی روانی ہے کیسی ظلماتِ بیکراں پر

گماں کی تاریک وادیوں میں یہ نور کی ہے لکیر کیسی
یہ کس کی چٹکی سے زلفِ شب میں سہاگ برسا ہے کہکشاں پر

یہ مست آنکھوں کی چنچلاہٹ، یہ لب کی خاموش گنگناہٹ
یہ شوخیِ ہم سفر ہے کیسی حیات کی راہِ جاوداں پر

یہ کس کی آنکھوں کی مستیاں ہیں جنھیں میں آنکھوں سے پی گیا ہوں
یہ کس کے ہونٹوں کی نغمگی ہے جو رس رہی ہے مری زباں پر

یہ کیا کیا منزلِ تجسّس پہ ناز تو نے خرد کو چھیڑا
کہ اس نے سودِ جنوں جو دیکھا تو ہاتھ ملنے لگی زیاں پر

○

کوئی ہنگامہ نہیں تھا بے خبر تھی بزمِ ناز
کس کا زیرِ لب تبسّم کر گیا افشائے راز

کس مقامِ بے خودی پر آ گئی میری انا
حُسن سجدہ کر رہا ہے عشق ہے محوِ نماز

زندگی رقصاں، فضا مبہوت، عالم محوِ خواب
حُسن کی بزمِ غنا میں بج رہا ہے دل کا ساز

جادۂ آوارگی کی کون سی منزل ہے یہ
ایک مرکز پر نظر آتے ہیں پستیٔ و فراز

رقصِ بیتابیٔ ذرہ سے بپا ہے حشر سا
نامکمل سی نظر آتی ہے تعمیرِ مجاز

میرے آ جانے سے ہی ہنگامۂ ہستی اٹھا
کل تلک سونی نظر آتی تھی بزمِ حُسن و ناز

عشق سے آرائشِ محفل ہے ہر اک دیدہ زیب
ورنہ ہوتی اور ہی کچھ آج ترتیبِ مجاز

چومتا ہے ناز شاہِ وقت پھر پائے غلام
لوگ پھر کرنے لگے ہیں ذکرِ محمود و ایاز

○

○

حیات ناپید تھی جہاں میں شعورِ دار و رسن سے پہلے
نمک نہ تھا حسن کی ادا میں شہادتِ کوہکن سے پہلے
نظر نظر کو ملا تھا جادو، وجودِ سحرِ ختن سے پہلے
دلِ حزیں میں تھا درد لیکن نگاہِ جادو فگن سے پہلے
حیا محبّت کی اک کشش ہے نقاب سعیِ نظر کا حاصل
نمودِ جلوہ تھی عام ورنہ نگاہوں کی انجمن سے پہلے
پیامِ جنّت ہے اک اشارہ کہ باغِ عالم ہے نامکمل
کوئی پیمبر نہ آیا ترتیبِ لالہ و یاسمن سے پہلے
نہ جانے وقتِ گناہ آنکھیں تلاش کرنے لگیں ہیں کس کو
کوئی تصوّر نہ ایزداں تھا تصوّرِ اہرمن سے پہلے

○

مشکل ہی چاہتا ہوں میں مشکل کشا نہیں
طوفان چاہتا ہوں میں ہلکی ہوا نہیں
آئے نہ اعتمادِ خودی میں کہیں سے ضعف
میں تو یہی کہوں گا کہ میرا خدا نہیں

اوجِ فلک سے ناپ نہ معیارِ زندگی
وہ ابتدا ہوں جس کی کوئی انتہا نہیں

آغازِ زندگی ہے فراموشیِ ازل
انجامِ زندگی کا ابد تک پتا نہیں

یہ جنّتِ خیال، یہ تخریبِ ارتقا
زاہد تری شراب میں کوئی مزا نہیں

یہ بھی غلط نہیں کہ مکمل وجود ہوں
لیکن غلط ہے میرا کوئی ارتقا نہیں

اپنی ہی اک تلاشِ مسلسل ہے زندگی
اک راز ہوں میں نازؔ جو اب تک کھلا نہیں

○

زمین گذری ہے ہفت آسمان گذرے ہیں
مری نگاہ سے کون و مکان گذرے ہیں

خودیِ عشق سے لے کر غرورِ جاناں تک
جمال و حسن کے صد کاروان گذرے ہیں

مری نگاہ کئی آسماں سے گذری ہے
مری نظر سے کئی آسمان گذرے ہیں

مرے خلوصِ خودی پر جب انگلیاں اُٹھیں
غرورِ حسن پہ کیا کیا گمان گذرے ہیں
کسی کے ساتھ ضروری تھا نازؔ ہو لینا
اِدھر اُدھر سے کئی کارواں گذرے ہیں

○

حسین ترنمات کی مجھے ادا دکھائی دی
قریب تر صدائے زندگی مجھے سنائی دی

تمام مرحلے مری حیات کے یوں طے ہوئے
کہ منزلیں ملیں وہاں نہ رہ جہاں سجھائی دی

وہ کیف و مستیٔ عشق کی مرے ہی بس کی بات تھی
کہ زیست جھوم جھوم اُٹھی کہ موت نے دہائی دی

نہ جانے بعدِ زندگی بھی منزلِ حیات کیا
کہ روشنی سنائی دی صدا مجھے دکھائی دی

ثواب و معصیت کی بحث سے بھی یہ نہ کھل سکا
برائی کس سے کس نے لی، کسے کسے بھلائی دی

صنم کدہ کی بے پناہ وسعتیں تو دیکھیے
تصوّرِ خدا میں شکلِ بت مجھے دکھائی دی

مجھے حدیثِ شوق کی وہ بازگشت سی لگی
گلاب و لالہ کی زباں سے بات جو سنائی دی

جنابِ نازؔ کیا کریں مراقبے میں بیٹھ کر
نہ روشنی دکھائی دی نہ راگنی سنائی دی

○

○

یہ ادا یہ ناز یہ شوخیاں یہ شباب و حسن کی دلبری
یہ نگاہِ شوق کی ساحری، دلِ عشق کی یہ فسوں گری
یہ گلاب و لالہ کی رنگتیں، یہ کرشمہ ہائے خودی مرے
یہ وجودِ دہر کے سلسلے، یہ مرے خیال کی بت گری
یہ نوائے شوق چمن چمن، یہ حدیثِ شوق صنم صنم
مری نظم و نثر کی سرخیاں، مری فکرِ شعر کی آذری
جہاں میں ہی میں ہوں غزل سرا جہاں وجد میں ہے مری انا
جہاں سرنگوں ہے خدائیت، مرا وہ مقام قلندری
مری مفلسی کی عطائیں یہ، مرے فقر کی یہی بخششیں
کہیں وجہہِ حسنِ تونگری، کہیں وجہہ شانِ سکندری
وہ بشر کی جدّتِ اوّلیں جسے کہہ رہا ہے خدا جہاں
جسے اہلِ دیں نہ سمجھ سکے وہ تلاشِ حق مری کافری
تری بولتی ہوئی چھاؤں میں مرے لب یہ نغمۂ سرمدی
مری گفتگو ہے پیامِ حق مری بات حدیثِ پیمبری
لب و رخ کا میں ہی کنوارا پن دلِ عشق کی میں ہی تشنگی
مری آرزوئے وصال ہی ہے صنم صنم فنِ آذری

میں ہوں نازِ پیکرِ فکر وہ جو نہ ڈھل سکا کسی شعر میں
میں وہ نارسا ہوں غزل غزل جسے ڈھونڈتی رہی شاعری

○

شکن شکن جبینِ ناز کہکشاں لئے ہوئے
جلالِ رُخ ہے آفتابِ ضو فشاں لئے ہوئے
سنوارنے کو زلفِ زیست چاہیے اک آئینہ
زمین اپنے ہاتھ میں ہے آسماں لئے ہوئے
نجوم و ماہ و مشتری و شمس عکسِ خاک ہیں
کہ عکس عکس وسعتیں ہیں لامکاں لئے ہوئے
حدِ نظر پہ زیر و بم حیات کے کچھ اور ہیں
نوائے شوق ہے جہاں خموشیاں لئے ہوئے
شکستِ ذرّہ میں لیے ہزار ہا قیامتیں
مزاجِ اہرمن ہے شانِ ایزداں لئے ہوئے
زمیں کی تہہ میں آج بھی مچل رہے ہیں زلزلے
فضائے ابر و باد بھی ہے بجلیاں لئے ہوئے

بہ پے بہ پے سکوتِ غیب میں قدم کی آہٹیں
خلا خلا شبِ سکوتِ بے کراں لئے ہوئے
تمام بزم کائنات اک کرشمۂ انا
وجود معجزاتِ غیب کا جہاں لئے ہوئے
چٹک کے غنچۂ انا پہیلیاں بجھائے ہوئے
بہارِ گل ہے پنکھڑیوں کی سوزباں لئے ہوئے
جہانِ نو بھی ہے توہمات کا اک آئینہ
ہر ایک عقدہ حل در حل ہے سو گماں لئے ہوئے
کہاں کہاں تلاشِ مرگ زیست کو پھرائے ہے
فضا کی وسعتیں ہیں وقتِ بے کراں لیئے ہوئے
پیمبری پیمبری، ربوبیت ربوبیت
عقیدہ و یقیں ہیں سیکڑوں گماں لئے ہوئے
خودی کی دوڑ دھوپ میں خودی ہی سود یافتہ ہے
تلاشِ حق میں یافتِ حق کئی ہے زیاں لئے ہوئے
تلاش اپنی ہی تلاش ناز ہو کے رہ گئی
نوائے شوق ازل ابد کے درمیاں لئے ہوئے

○

صبحِ چمن ملتی ہے آنکھیں — پچھلے پہر کا ساز ہوں میں
کوئی سمجھے کوئی نہ سمجھے — ایک انوکھا راز ہوں میں
ایک زمانہ گت پر ناچے — ایک نئی آواز ہوں میں
گونج رہی ہیں ساری فضائیں — شورِ شکستِ ساز ہوں میں
صدیاں مری جانی پہچانی — لمحہ لمحہ راز ہوں میں

مستی مستی حسن سراپا
عالم عالم ناز ہوں میں

○

اگر ہم خود ہی کو پہچان لیتے — تو پھر غیروں کا کیوں احسان لیتے
یہ دنیا صرف تصویرِ انا ہے — کسے اپنا خدا ہم مان لیتے
طبیعت پائی ہے خوددار ہم نے — بہت ڈرتے ہیں ہم احسان لیتے
محبت آدمی کی ہے مقدس — خدا کا نام کیوں انسان لیتے
خودی ہی ارتقائے آخری ہے — خود اپنے آپ کو پہچان لیتے
بشر کی صرف معراجِ انا ہے — خدا کیا ہے؟ یہ نکتہ جان لیتے
پیمبر کا بھی تو سایہ نہیں ہے — کسی کا اور کیوں احسان لیتے

بڑی قیمت ہے شاعر کے انا کی — حدیثِ شوق کیا ہے جان لیتے
نہ جانے کیا گذرتی میکدے پر — اگر توبہ کی ہم بھی ٹھان لیتے
تمھارے خم سے پینے آرہے ہیں — زمانے بھر کا کیا احسان لیتے

زمانہ نازؔ کو سمجھے گا اک دن
ابھی سے کاش تم پہچان لیتے

○

پائل کی کھنکتی ہوئی جھنکار تو دیکھو — چلتا ہوا اک گیت ہے رفتار تو دیکھو
رہ رہ کے چمک جائے ہے بجلی کی حسیں جوت — اڑتی ہوئی زلفوں میں یہ رخسار تو دیکھو
کس طرح مکر جائے ہے کس ڈھب سے ہے ملنے — اقرار نظر آئے ہے انکار تو دیکھو
رقصاں ہے شفق وجد میں سرخیٔ حیا ہے — چہرے پہ تھرکتا ہوا یہ پیار تو دیکھو
اقرار میں انکار ہے انکار میں اقرار — انکار تو دیکھو ذرا اقرار تو دیکھو
کھنچتی ہوئی بادہ ہے کہ رستا ہوا سنگیت — شعلہ سا لپک جائے ہے گفتار تو دیکھو
سرگم کے پھواروں میں نہائی ہوئی ہر بات — ہر بات میں سنگیت کی پوچھار تو دیکھو
یہ بے خودیٔ شوق کی خاموش صدائیں — سنجیدہ سی یہ شوخیٔ اظہار تو دیکھو

ہونٹوں پہ تھرکتی ہوئی آواز ہے کیا نازؔ
یہ روپ، یہ سنگیت کا سنسار تو دیکھو

○

حسن کی نازؔ قتل گاہ میں چل　　عشق کی آخری پناہ میں چل
کتنے روشن ہیں حسرتوں کے دیے　　لوٹ کر اپنی بارگاہ میں چل
کل تلک جو تھی نازؔ حدِ فرار
چل اسی بزمِ مہر و ماہ میں چل

سب کے بس کی نہیں پرستشِ بت　　تم خدا ہی کا نام لو واعظ
ساقیٔ بزم کی نظر سے بچو　　عقل سے اپنی کام لو واعظ
نازؔ گرتا ہے اس کو گرنے دو
تم ذرا خود کو تھام لو واعظ

الفاظ چیخ اٹھے قلم بولنے لگے　　قفلِ دہن کو توڑ کے ہم بولنے لگے
ہر پیکرِ صدا میں نئی جان آگئی　　کاغذ پہ تھے جو لفظ رقم بولنے لگے
کیا جانے کیا خموشی میں تھی گرمیٔ نوا　　پتھر پسیج اٹھے صنم بولنے لگے
آوازِ بازگشت ہماری ہے نازؔ یہ
لگتا ہے جو وجود و عدم بولنے لگے

محبت ہے اگر بدنام تو بدنام رہنے دے
مرے رنگین افسانوں کا ذکر عام رہنے دے

جنوں کا ہاتھ سے دامن نہ چھوٹ جائے کہیں واعظ
ذرا دیر اور مجھ کو غافلِ انجام رہنے دے

مزاجِ حریت پر کچھ گراں گذری ہے پابندی
جو اُٹھے سر جھکا دیتا ہے وہ پیغام رہنے دے

جہنم تو گوارا ہے مگر جنت تری واعظ
اگر سجدوں کا حاصل ہے تو یہ انعام رہنے دے

تجھے معلوم ہے کیا کچھ دلِ نازک پہ گذری ہے
مری توبہ کا صدقہ یہ شکستہ جام رہنے دے

مرے ہاتھوں پہ قدحِ آفتابِ شرق و مغرب ہے
نشاطِ صبح رہنے دے کا سرورِ شام رہنے دے

سمجھ لیں گے سبھی یوں صاف لفظوں میں نہ کہہ سب کچھ
حدیثِ شوق میں تھوڑا بہت ابہام رہنے دے

یقینِ دل نہیں تو خیر سے اے نازؔ کچھ مت کہہ
ابھی سینے میں اپنے حسرتِ ناکام رہنے دے

○

سکونِ دل نہ ملنے پر بھی کچھ آرام ملتا ہے
ترے ہاتھوں سے ساقی مجھ کو جب جب جام ملتا ہے

ترے موجود ہونے کا گماں ہوتا ہے اس گھر میں
دھندلکے میں جہاں روشن چراغِ شام ملتا ہے

نبی کی کیا ضرورت تھی یہ صبح و شام کافی تھے
شعاعِ مہر سے کبھی نور کا پیغام ملتا ہے

لہو کی چھینٹ سے جب پھوٹتی ہے پَو تمدن کی
رگوں میں حرکتِ خوں سے بہت آرام ملتا ہے

گذر جاتے ہیں دیوانے جو راہِ مرگ سے ہنس کر
حقیقت میں انھیں کو زیست کا انعام ملتا ہے

جھلک اُٹھتی ہے اکثر روشنی سی حدِّ امکاں میں
شروعِ کار میں ہی حاصلِ انجام ملتا ہے

پکّے سے کچھ نظر آتے رہے پھل شاخِ ہستی پر
لپکتے ہیں جسے ہم نازؔ ہم کو خام ملتا ہے

○

○

ہر اک نظر ہے گناہ میری تو جلوۂ حسنِ عام کیوں ہے
جو بے خودی ہی ہے منزلِ غم تو جامِ مے ہی حرام کیوں ہے
تغیرِ زندگی غلط ہے تو گردشِ صبح و شام کیوں ہے
کبھی بہاراں، کبھی خزاں ہے چمن کا ایسا نظام کیوں ہے
تم اپنے ہی دل سے پوچھ لو خود نشانِ منزل کسے ملا ہے
خرد کی رفتار سست کیوں ہے جنوں بہت تیز گام کیوں ہے
کہیں اندھیرا، کہیں اجالا خدا ہے جب کاتبِ مقدر
اندھیری راتوں کے سرد دامن میں آتشِ انتقام کیوں ہے
ورق ورق پھڑپھڑا رہے ہیں یہ عہدِ تاریخ کون سا ہے
جو عام ہے برکتِ حکومت تو انقلابِ عوام کیوں ہے

○

دخترِ رز کا ساغرِ مے میں رقصِ تبسم رات گئے
بزمِ خیال میں جیسے ہو کوئی محوِ ترنم رات گئے
بے کہی باتوں کے وہ اشارے ان سنے نغموں کی وہ صدا
چپ چپ سادہ نرم لبوں کا حسنِ تکلم رات گئے

پرتوِ نغمۂ شوق کی سوگند بن گئی اک تصویرِ فضا
انجم و مہ پر چھا گیا میرا حسن تو ہم رات گئے

اُف یہ مسیح النفسی اُن کی ارماں ارماں جاگ اُٹھے
ذرّہ ذرّہ میری زمیں کا بول اُٹھا قم رات گئے

سوچ کی گہری تاریکی سے جھانکی وہ تنویرِ شفق
خوابِ جوانی آنکھوں میں بھر کر آہی گئے تم رات گئے

اُترا اُترا رنگِ جفا ہے بدلا بدلا حسنِ وفا
"آؤ کہ تم کو پیار کریں" یہ شانِ تحکّم رات گئے

عشقِ حجرہ نشیں ہی نہیں تھا نازاں اکیلا وقتِ فکر
بزمِ خیال میں حسن کبھی تو تھا محوِ ترنّم رات گئے

سحر کی چاہ میں ہیں پچھلی شب کے خواب ہنوز
جنونِ شوق ہے جویائے انقلاب ہنوز

یہ سعیِ شوق کی کم ہمتی ہی تھی ورنہ
لرز رہا ہے رخِ یار پر نقاب ہنوز

وہ تیری سعیِ کرم اور یہ میری محرومی
جو خواب آنکھوں کا کل تھا وہی ہے خواب ہنوز

تری توجہ ہے گو التفات کا عالم
کھٹک رہا ہے نظر میں ترا شباب ہنوز

تیرے خلوص کا جس نے کہ راگ چھیڑا تھا
کھنک رہا ہے وہ ٹوٹا ہوا رباب ہنوز

جو عزمِ خفتہ جگا دے پلا وہ مے ساقی
جنون طلب ہے، مری حاجتِ شراب ہنوز

تلاش کرتا ہے تجھ کو مورّخِ فردا
ورق ورق ہوں ہیں بکھری ہوئی کتاب ہنوز

کبھی تو داد طلب ہے نگاہِ شوق مری
ملا نہ حسن کا تیرے کہیں جواب ہنوز

جناب ناز پئے جاؤ پی سکو جتنا
ہے بامِ فکر سے کبھی اونچا آفتاب ہنوز

تمھیں ہو آئینۂ غزل میں نگاہِ شاعر کا حسن تم ہو
بنا ہوں حیرت کدہ سراپا ہر اک تصوّر کا حسن تم ہو
تمھارے غمزوں سے حسنِ نرگس، کلاہِ غنچہ میں خم تمھیں سے
تمھاری تشبیہِ گل کی سوگند چمن کے منظر کا حسن تم ہو

تمہاری آنکھیں ہیں جامِ صہبا، خموشیٔ لب شرابِ نغمہ
تمہیں سے آئینِ میکدہ بھی ہے دامنِ تر کا حسن تم ہو

تمہیں سے مقتل کی رونقیں ہیں تمہیں سے دار و رسن کی عظمت
تمہیں سے سفاکیاں حسین ہیں ہر ایک خنجر کا حسن تم ہو

مماثلت سے تمہاری جانِ صنم نے پایا مقام کیا کیا
تمہیں سے ہے آذری کا رتبہ، صنم کے پتھر کا حسن تم ہو

تمہارے ہونٹوں کا آبِ مستی ملا نہ جب بھی شراب پی لی
تمہارا ہی عکس بنتِ رز ہے چھلکتے ساغر کا حسن تم ہو

طلسمِ غیب و وجود میں یوں خودی کی تقسیم ہو گئی ہے
چمن کی آوارگی میں جہاں ہوں ہر اک گلِ تر کا حسن تم ہو

کوئی مجھ پہ دل سے نثار ہے میں کسی پہ دل سے نثار ہوں
مجھے خار و گل سے لگاؤ کیا کہ میں آپ اپنی بہار ہوں

کبھی بے نیازِ چمن ہوں میں کبھی میں مغنیٔ فصلِ گل
کبھی بے خودی کا سرور ہوں کبھی میں سرورِ خمار ہوں

جو نگاہ دل میں اتر گئی اسی انتخابِ نگاہ سے
میں ہنوز مستِ شباب ہوں میں ہنوز رشکِ بہار ہوں

میں کنول کی حدِ نگاہ ہوں، لبِ غنچہ پر مری بات ہے
کسی آنکھ کی میں تلاش ہوں کسی مہ جبینہ کا پیار ہوں
مرا دل حسینوں کی انجمن، مری آنکھ جلوؤں کی روشنی
جہاں بنتِ رز ہے غزل سرا وہی میں خوشی کا دیار ہوں
میں ہوں نازِ شوخیٔ آذری، مرا جذب جذبِ برہمنی
جہاں کافری ہے نماز بھی میں وہ بتکدوں کا دیار ہوں

○

ہمیں ہیں بزم بتاں میں جبیب آج کی رات
صنم صنم کے ہوئے ہیں رقیب آج کی رات
بہت دنوں میں سمجھ کر شباب کا مفہوم
ہوئے ہیں عشق و محبت قریب آج کی رات
یہ کس حسیں کو کیا ہم نے پیار جس کے طفیل
ہوئے ہیں غزلوں کے بھی ہم جبیب آج کی رات
ہمارے ہاتھ میں خورشید آنکھ میں فردوس
زمیں پہ ہم ہیں فلک کے نقیب آج کی رات
ہمیں نے آج جگا دی بہک کے بزمِ نشاط
ہمیں سے جاگے جنوں کے نصیب آج کی رات

ہمیں اکیلے شبِ وصل رہ گئے جیسے
وہ آ گئے ہیں کچھ اتنے قریب آج کی رات

یہ گوپیوں میں کنھیّا کے راس جیسا سماں
کوئی کسی کا نہیں ہے رقیب آج کی رات

مہک اُٹھی ہے ہر آغوشِ زندگی اے دوست
روش روش کا ہے منظر عجیب آج کی رات

وہ خوش نصیب ہمیں ہیں جنابِ نازؔ کہ اب
ستارے لکھّیں گے جس کا نصیب آج کی رات

○

رنگ و بو کی لپٹوں کو صبح نے ہوا دی ہے
فصلِ گل نے خود ہر سو آگ سی لگا دی ہے

دی خزاں نے دامن سے یوں ہوا بہاروں کو
جیسے زندگانی کو موت نے دعا دی ہے

یہ تلاش کیسی ہے خود کو ڈھونڈتا ہوں میں
آپ نے پکارا یا دل نے ہی صدا دی ہے

مطمئن بہت تھے ہم اپنی بے نصیبی پر
صبر کی وہ دولت بھی عشق نے گنوا دی ہے

اب کہاں غمِ جاناں دل ہے اور غمِ دوراں
ہم نے ان دنوں ان کی یاد بھی بھلا دی ہے

جل کے آتشِ غم میں خاک ہو گئے آخر
حدِّ ارتقائے نورِ عشق نے دکھا دی ہے

تیرگی میں دھندلا سا روشنی عمل کی تھی
حوصلوں کی ہر اگنی وقت نے بجھا دی ہے

شعلۂ عمل ہر اک غرقِ تیرگی ہوگا　　بے پناہ وسعت کی اف یہ کیا منادی ہے

وقت آگیا وہ بھی جب کہ نازؔ دنیا نے
عشق کی خطاؤں پہ حُسن کو سزا دی ہے

○

پلا دے اور پلا دے شراب آج کی رات　　چکا دے زیست کا سارا حساب آج کی رات

نگاہِ بنتِ ہمالہ مری تلاش میں ہے　　کیا گیا ہے مرا انتخاب آج کی رات

بہت دنوں میں یہ سمجھا ہے میں نے میں کیا ہوں　　مری طرف ہے رُخِ ماہتاب آج کی رات

یہ سحر ہے کہ کوئی معجزہ جنوں کا مرے　　ملی جو خواب میں تعبیرِ خواب آج کی رات

انڈیل دے مرے ساغر میں جو بھی باقی ہے　　کہ تہہ کی بوند بھی ہے آفتاب آج کی رات

ہر اک شعور، شعورِ گناہ ہے ساقی　　ہر اک گنہ کا ہے حاصل ثواب آج کی رات

سحر سے پہلے ہی اقدارِ روشنی بدلے　　نظر کی جوت میں ہے انقلاب آج کی رات

سیاہ ابر سے آسودگی بھی رستی ہے　　فلک کے معانی نے کھولا ہے باب آج کی رات

نظر سے، لب سے، بدن سے پلا دے اے ساقی　　تری شراب ہے تیرا شباب آج کی رات

میرا اے نازؔ یہی دو ورق ہیں قرآں کے
رُخِ حسیں ہے مکمل کتاب آج کی رات

○

○

کلی کلی مائلِ تبسّم گلوں کا جوبن اُبھار میں ہے
نویدِ شادی، نظر کی دعوت بسنت رُت کے سنگھار میں ہے
بہار کے لوٹ آؤ ساقی خزاں ہنوز انتظار میں ہے
نشاطِ یک لمحہ بھی بہت ہے، بہت ہے جو کچھ بہار میں ہے
جو نقد میں ہے سکوں میسّر، مزہ کہاں وہ اُدھار میں ہے
ثواب ہے لغزشِ جوانی بہشت پل بھر کے پیار میں ہے
بچاؤ خم کی بچاؤ عزت ہوس بہت بادہ خوار میں ہے
رہے نہ باقی حساب وہ جو تقاضۂ بار بار میں ہے
ہوا ہے رنگیں فسانہ جس سے نہ وہ رسن ہیں نہ دار میں ہے
وہ شوخیٔ واردات دل کے یقین میں اعتبار میں ہے
ہوا کے رُخ سے جو بچ کے نکلا وہ قافلہ رہگذار میں ہے
قریبِ منزل مگر وہی ہے جو جہدِ گرد و غبار میں ہے
کلی کلی ہے سکون میرا خلش مری خار خار میں ہے
چمن چمن دشت ہر شے مری حدِ اختیار میں ہے
کسی کا ہے انتظار مجھ کو کوئی مرے انتظار میں ہے
نہ عشق ہی اختیار میں ہے نہ حسن ہی اختیار میں ہے

وہی ہے حسنِ غزل میں میرے وہی نمک لئے یار میں ہے
فغانِ بلبل بھی، رنگِ گُل بھی حسین ہر شے بہار میں ہے
ادھر ہیں مینا و جام خالی سحر اُدھر انتظار میں ہے
گذر گئی رات ناز اُٹھو، سرورِ حدِ خمار میں ہے

جو آگ دل میں تھی کل فروزاں وہ آگ اب بھی لپک رہی ہے
مگر جو آنگن میں چاندنی تھی گھٹا کے پیچھے چمک رہی ہے
وہی ہیں آنکھیں، وہی ہے دل بھی، نگاہیں لیکن بدل گئی ہیں
اک آنکھ جلووں سے مطمئن ہے اک آنکھ اب بھی بھڑک رہی ہے
نہ تم حسین ہو نہ ہم ہیں عاشق، نہ تم صنم ہو نہ ہم پجاری
جو تھی نگاہِ غزل ہماری خلا میں وہ اب بھٹک رہی ہے
وہ اک ادا تھی جو دلبرانہ، بدل گیا ہے بھرم اب اس کا
جو تھی تبسّم کی روشنی کل، وہ برق سی اب چمک رہی ہے
گھنیری زلفوں کی چھاؤں میں کل حیات سوتی تھی سکھ کی نیندیں
لٹوں میں اپنی لپیٹے ناگن وہ زلف اب بھی مہک رہی ہے
گلاب و لالہ کی بند کلیوں کو جن سے آسودگی ملی تھی
ٹپک رہے ہیں وہ آنسو اب بھی۔ وہ رات اب بھی سسک رہی ہے

غرور اک انقلاب آیا، حیات نے لی ضرور کروٹ
اُدھر کبھی آگ بھڑک رہی ہے، اِدھر کبھی بجلی چمک رہی ہے
یہ کس نے آواز آج دی ہے کہ زندگی بن گئی قیامت
فلک کا سینہ دہل رہا ہے زمیں کی چھاتی دھمک رہی ہے
دئے بجھا دو کہ نیند ٹوٹی، سحر کی تعبیر کھل گئی
کسی کے ماتھے پہ صبحِ نو کی حسیں سُرخی لہک رہی ہے

○

بہارِ نرگس ہے تیرا عشوہ گلاب کا پیرہن تجھی سے
تری نگاہوں سے میکدے ہیں غزل کا دیوانہ پن تجھی سے
ادا تری انقلابِ ہستی، غرور وجہِ بغاوتِ دل
تجھی سے ترتیبِ لالہ و گل، مرے جنوں کی لگن تجھی سے
خموشیاں بولنے لگی ہیں سکوت آواز دے اُٹھا ہے
تجھی سے وابستہ شعر گوئی، زباں دانی کا فن تجھی سے
ترے کرم سے مری نواؤں نے دیپ بالے ہیں تیرگی میں
تجھی سے تاروں کا زیر و بم ہے راگ شعلہ فگن تجھی سے
تجھی سے وصلِ خیال میں بھی ملا ہے کیفِ نشاط مجھ کو
تجھی سے تنہائیاں حسیں ہیں خیال کی انجمن تجھی سے

نہ جانے کتنی بلندیوں سے اُتر کے آیا ہوں تیرے در پر
فریب نا پستیوں میں بھی ہے فرازِ کوہ و دمن تجھی سے
غرورِ حُسن و شباب سے تیرے صاحب ناز ناز صاحب
خودیِ عاشق ہے تیرا پرتو ہے پیار ہیں نانکین تجھی سے

○

حسین تر ہے محبت کی داستاں تجھ سے
زباں تجھ سے، اثر تجھ سے اور بیاں تجھ سے
بہ لن ترانیِ جلوہ نظر یہ حسرت و یاس
طلسمِ حسن و محبت ہے جاوداں تجھ سے
مماثلت سے تری بُت ہے برہمن کا خدا
عطا ہوئی ہیں وہ پتھر کو خوبیاں تجھ سے
کہا گیا تجھے زہرہ جبیں، کبھی مہہ رو
مری زمین ہوئی رشکِ آسماں تجھ سے
نہ جانے بات تھی کیا لب سے جو ادا نہ ہوئی
"گدائے طاقتِ تقریر ہے زباں تجھ سے"
رقیب جل کے عبادت کو کہہ رہا ہے گنہ
وگرنہ تجھ سے ہی گل، حُسنِ گل رخاں تجھ سے
خیالِ سجدہ نہ آئے تو کوئی بات نہیں
جبیں نا آزنہ تری سنگِ آستاں تجھ سے

○

O

قطرہ ہائے اشک بحرِ بیکراں ہوتے گئے
خاک میں ملتے گئے اور آسماں ہوتے گئے

خود ہی کو ڈھونڈا کیے ہم آئینہ در آئینہ
راز تھے اور رفتہ رفتہ رازداں ہوتے گئے

پی کے چھلکاتے، پلاتے، پیتے، چھلکاتے ہوئے
رفتہ رفتہ رند بھی پیرِ مغاں ہوتے گئے

اس طرف تو دھوپ ڈھلتی چھاؤں میں چھپنے لگی
اور ادھر فکرِ سخن سے ہم جواں ہوتے گئے

ٹوٹ کر بکھرے ستارے کھو کے احساسِ انا
اور ذرے آفتابِ کہکشاں ہوتے گئے

آسماں پر آسماں یوں لے چلا شوقِ سفر
کارواں والے مکینِ لامکاں ہوتے گئے

آگے آگے نازؔ صاحب لے چلی ہم کو خودی
اور ہمارے پیچھے پیچھے کارواں ہوتے گئے

O

رنگِ جدید

چمن کا رنگ اُڑا جم گئی گُلوں پہ برف
ہر ایک نقش ہے گویا کوئی مِٹا ہوا حرف

حِسِ حیات ہے باقی بھی یا کہ ختم ہوئی
دل و دماغ ہوئے منجمد بدن ہے برف

مِٹے مِٹے سے ہیں یادِ بتاں کے سارے نقوش
نہ پڑھ سکا میں کسی نام کا بھی کوئی حرف

جسے نگاہِ کرم تیری سرفراز کرے
کسے نصیب ہے دنیا میں وہ مقامِ شرف

بہت غلط بھی نہیں ہے شکایتِ کم و بیش
کہ بزمِ رنداں میں کچھ لوگ ہیں بہت کم ظرف

مٹا سکا نہ میں خود کو تری محبت میں
متاعِ زیست تلاشِ خودی میں ہو گئی صرف

کوئی خدا کا ہے عاشق کوئی بتوں پہ نثار
جنابِ نازؔ ہر اک کا الگ الگ ہے ظرف

دل برف، منجمد ہے لہو، جسم سرد ہے
احساسِ زندگی ہے نہ احساسِ درد ہے
بارے لہو کی چھینٹوں نے ہر سو چراغِ زیست
رنگِ رُخِ حیات مگر اب بھی زرد ہے
آثارِ ابر و باد نہیں پھر بھی کچھ تو ہے
سورج دھواں دھواں ہے افق گرد گرد ہے
اُس پار قصرِ نو میں ہے اک شورِ قہقہہ
میری کٹی میں اشکوں کا سیلابِ درد ہے
اللہ رے یہ گرمیٔ رفتارِ پائے شوق
روشن شعاعِ خاک سے تاروں کی گرد ہے
سورج کی روشنی کا کہیں بھی پتہ نہیں
دودِ فغاں ہے، ابر ہے، صحرائے گرد ہے
کچھ ایسی بے بسی ہے کہ سنتا نہیں کوئی
اپنے ہی دکھ سے چُور یہاں فرد فرد ہے
ماضی نے جانے کتنی سُنائیں کہانیاں
رنگِ شبابِ حال مگر اب بھی زرد ہے

کیا حاصل رجز اے رجز خواں ذرا ٹھہر
موسم بدلنے دے کہ فضا آج سرد ہے
جس سے کہ نظم زیست بدلنے کو ہے ندیم
سنتے ہیں راستے میں وہ صحرا نورد ہے
بے مدت کہو بڑے ہیں سبھی رند میکدہ
ہم جانتے ہیں نازؔ کو وہ نیک مرد ہے

ہر سو ہے اک دھینگا مشتی، ہر سو اک واویلا ہے
موت کبھی جس سے آنکھ چرائے جیون وہی جھمیلا ہے
اپنی اپنی سب کو پڑی ہے ہر اک ہے بیگانہ سا
جس کے اپنے پرائے لاکھوں وہ بھی یہاں اکیلا ہے
پیار کا ساجھی دار ہے کوئی اب بھی کوئی گھات میں ہے
کوئی ہے بچپن کا بیری، کوئی ساتھ کا کھیلا ہے
کس کا کون یہاں ہے اپنا ہر کرنی بٹ ماری ہے
آنی جانی اس دنیا کا چلتا پھرتا میلا ہے
تن کی، من کی، روح کی آخر کس کس کی ہم بھوک مٹائیں
نیم چڑھا سا کڑوا کڑوا ہر اک یہاں کریلا ہے

کیسے کوئی سنبھالے خود کو جیون نیّا ڈوب نہ جائے
ہر کھارت کی لہروں کا سا نڈّی ندّی ریلا ہے

اپنا سب سکھ غیروں میں ہی رہ رہ ہم نے بانٹ دیا
کیا جانے کیا سوچ کے اب تک غیروں کا دکھ جھیلا ہے

ایک ہوا کا جھونکا جیسا، آئی جوانی اور گئی
پیار ہے اب تک سوچ میں ڈوبا کیونکر روپ انیلا ہے

نازؔ بہت مشکل ہے جینا، مرنا بھی آسان نہیں
دیکھو کس کا پار ہو پالا ہر سو ٹھیلم ٹھیلا ہے

○

آؤ بیٹھو، بات کرو، کچھ جی بہلے کچھ درد بٹے
نیند بھی اچٹی نشہ بھی اترا آخر کیسے رات کٹے

آندھی، پانی، بادل بجلی جیون کے ہنگامے ہیں
خیمے ہیں سب الٹے پلٹے چہرے ہیں سب گرد اٹے

اکھڑی اکھڑی بات ہے لب پر سنکیتوں کی بھاشا میں
جانے ہے یہ کیسی وحشت گیسو ہیں بکھرے نین پھٹے

محنت کی مزدوری لے کر کیسے اپنے گاؤں چلیں
گھات لگائے پگڈنڈی پر بیٹھے ہیں کچھ لوگ جھٹے

گاڑی کے انجان مسافر سے ہم تم مل بیٹھے ہیں
من سے من ہے دور ابھی تک ملنا گات سے گات سٹے
جگ کی ہونی ان ہونی سے آنکھ نہ موندو ہوش میں آؤ
جانے کیا کچھ کر گذرے ہیں من کے بوڑھے تن کے لٹے
جیون جن پر قرض ہے یارو اُن کا بِکھ پی لینا کیا
اچھا ہے کچھ سودا دا ہو، اچھا ہے کچھ قرض گھٹے
آؤ بڑھو ہنس لڑ بھڑ کر ہی اپنی پرائی دور کریں
خون سے تن کو نہ دھو لینے سے شاید من کا میل چھٹے
یہ دنیا ہے کیسی دنیا ہوڑ لگی ہے دیوانوں میں
ناز غنیمت اس کو جانو جب تک جس سے جس کی پٹے

○

معشوقوں کو قاتل کہنا قاتل کی توہین ہوئی
قاتل کو معشوق نہ کہہ کر قاتل کہنا پاپ ہوا
الٹی ہوگئیں ساری رسمیں الٹی سیدھی بات ہوئی
جاہل کو سرکار نہ کہہ کر جاہل کہنا پاپ ہوا